ضیغم
(مسز پرل بک کا ایک طویل افسانہ)

مترجمہ
مظہر سعید
بی۔اے
دبستان اُردو
گیلا منڈی حیدرآباد (دکن)
قیمت
کلدار
حالی

طبع اول   ایک ہزار

جون سنہ ۱۹۴۵ء

عروج کونڈروی

نے

مطبع مکتبۂ ابراہیمیہ سے چھپوا کر دبستانِ اردو

سے شائع کیا

بہت دن ہوئے یہ اب کا ذکر نہیں، اس ہولناک جنگ سے پہلے کا ذکر ہے جب بہت سی نعمتیں مفت ملتی تھیں، آج تن من دھن سے بھی اُن کی دُھن میں کھو جائیں تو میسر نہیں آتیں، لندن میں چھپنے والے رسالے، میگزین جتنے خوبصورت اور دلچسپ ہوتے ہیں ان سے ہر وہ شخص واقف ہے جسے کبھی اُن کے پڑھنے کا موقع ملا ہو۔ اُن اخبارات اور رسالوں کے مالکوں کو سلیقہ کے ساتھ سرمایہ بھی نصیب ہوتا ہے وہ کوئی ہندوستان کے بدنصیب لوگ تو ہوتے نہیں کہ ایک اچھے ادبی رسالے کو طبع کروانے کے لیئے اپنا خون پسینہ ایک کرنا پڑے مفلس ملک کی ہر چیز پر اُداسی چھائی رہتی ہے۔ ورنہ ہندوستانی دماغ کی قابلیت اور قوتِ کارکردگی کے مقابلے میں یورپ کیا ٹھہر سکتا ہے سرد ملک کی ہر چیز سکڑی ہوتی ہے پھر دماغ کیوں نہ سکڑ جائے، لیکن رونا یہ ہے ہندوستان میں ناقدری کا ایک مہلک مرض ہر جگہ پھیلا ہوا ہے ہم نے تو اکثر یہی دیکھا ہے۔ اچھی قابلیت ہر جگہ ماری گئی تیسرے درجے والے کو اقبال نصیب ہوا سچ کہا غالب نے ؎

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

ناقدری کی وجہ سے سینکڑوں جواہر مٹی میں مل جاتے ہیں۔
ہندوستان میں آج کل اگر بیداری پھیل رہی ہے تو اس بیداری میں جہاں سیاسی بیداری کا ہاتھ ہے وہیں ادیبوں کی بھی خدمات شامل ہیں۔ اس وقت سارے ہندوستان میں صرف گنتی کے چند ہی کے رسالے ہیں جس میں ساقی ادبی دنیا، ادب لطیف، اور سیاست میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند ادبی پایہ کے مالک ہیں (بہت ممکن ہے کسی کو اس پر اعتراض ہو) لیکن ان کی راہ میں جو جو مشکلات پیش آئیں اور جس طرح ان کا یہ عظیم سرعت خطر میں پڑ گیا تھا اس کا اندازہ یا تو خود ان کے مالکان و مدیران کر سکتے ہیں یا وہ لوگ جن کو ان سے محبت ہے دلی ہمدردی ہے اور خلوص! خدا کرے صحافتی آزادی کے ساتھ انھیں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے سامان بھی ہاتھ آئیں۔

بہت دن ہوئے میں نے غیش یال میگزین میں (جس میں گڈ ہاؤس کیپنگ بھی بعد کو شامل ہوگیا تھا)
مسز پرل بک کا افسانہ! (TIGER) پڑھا تھا۔
افسانہ دو قسطوں میں شائع ہوا تھا اور ایک نادیکھے کی صورت رکھتا تھا۔ اس لمبے چوڑے افسانے کی دلکشی، جدت اور پیغام عمل سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ اور میری یہ زبردست خواہش ہوئی کہ اسے دوسروں کو بھی سنایا جانا چاہیئے۔ گرمیوں کی چھٹیاں تھیں اور میرا بھائی

بیمار تھا رات میں مجھے اس کی تیمارداری کرنی پڑتی تھی لہذا میں نے جاگنے کے لئے اس افسانہ کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اور تین چار روز میں یہ کام ختم ہو گیا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد بھائی اچھا ہو گیا اور میں بھی اس کو میز کی ڈراز میں رکھ کر بھول گئی۔ رسالے بھی نظروں کے سامنے نہ تھے، پڑھا اور اٹھا کر رکھ دیا۔

کچھ عرصہ ہوا ایک دن فیشن میگزین (FASHION MAGAZINE) کا ذکر یوں ہی باتوں میں چلا، اور پرچے نکالے گئے۔ پرچوں میں سے وہ پرچے بھی نکلے جس میں (TIGER) بھی تھا۔ ایکدم سے مجھے اپنا ترجمہ یاد آیا۔ میں نے اسی وقت ڈھونڈا اور نظر ثانی کے بعد تہیہ کر لیا کہ اس کو کتابی شکل دینی مناسب ہے۔

مسز پرل بک کے افسانوں میں ایک عجیب دلکشی اور دلچسپی ہوتی ہے۔ انگریزی زبان پر ان کو بڑا قابو حاصل ہے۔ چینی زندگی کا مطالعہ بھی انھوں نے بہت کیا ہے۔ "گڈ ارتھ" یا "پیاری زمین" میں مشرق کی تڑپتی ہوئی روح کی جو تصویر انھوں نے کھینچی ہے بڑی پیاری ہے اصل میں صحیح لطف تو اصلی سانچے ہی میں حاصل ہوتا ہے لیکن کسی افسانے کی "اسپرٹ" کو اسی رنگ میں پڑھنا بھی خالی از لطف نہیں ہوتا۔ گڈ ارتھ کا ایک ترجمہ "دھرتی ماتا" کے نام سے ہوا ہے لیکن "پیاری زمین" کے نام سے اتنا پیارا ہے کہ اصل کی چاشنی ملتی ہے۔ مسز پرل بک زندگی کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہیں قصے کو محض قصہ یا داستان امیر حمزہ

نہیں بناتیں صرف مشرق کے ٹوٹے ٹوٹکوں کا ماحول نہیں پیدا
کرتیں بلکہ زندگی کو اس کے اصلی روپ میں زمانہ کے ہر انقلاب سے
متاثر شدہ حالت میں پیش کرتی ہیں۔ ان کی ہر سطر میں ایک حساس
دل دھڑکتا ہے اور زندگی کے آثار ہر ہر لفظ سے ٹپکنے لگتے ہیں
"پیاری زمین" میں وانگ لنگ کی روزمرہ زندگی، کھیت
ہل، اور وہ وفا شعار بے زبان بیوی ہنستے کھیلتے بچے، مسرت بھرا
گھر اور پھر قحط ــــــ انسان انسان کو کاٹ کھانے لگتا ہے۔
کبھی مصیبت میں ہیرو کی شادی اور پھر مصیبت کے بعد راحت
لیکن وانگ لنگ کی بیوی کی موت اور زندگی کی بے ثباتی کا نقشہ
اور پھر وانگ لنگ کی حالت۔ اس کے جوان بیٹے اور بیوی کی
کارگزاریاں! غرض ایک فلم ہے کہ ہم دیکھتے چلے جاتے ہیں۔ اسی
سحر طراز قلم کاری نے مسز پرل بک کو "نوبل پرائز" (   )
کا مستحق قرار دیا۔ یہ اعزاز جتنا بڑا ہے اس سے دنیا نا واقف نہیں
"ضیغم" اسی سحر کار قلم کی جنبش کا نتیجہ ہے
(TIGER) کا ترجمہ میں نے "ضیغم" کیا۔ ضیغم
کے معنی ہیں پھاڑ کھانے والا شیر، کٹکھنا شیر۔ اور لفظی صورت
بھی کچھ ایسی ہے کہ مجھے بہت رعب دار نام محسوس ہوا۔ اس
افسانے میں بھی تسلسل کا وہی عالم ہے جو مسز پرل بک کی دیگر
تصنیفات میں ملتا ہے۔ الفاظ کی خوبصورتی، واقعات کا ان میں

بڑی خوبی سے کھپایا جانا۔ پھر چینی ماحول کی ایک مہین ریشمی چادر سی اُن کے گرد لپیٹی ہوئی، غرض میں نے تو یہ کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اصلیت کا رنگ نہ بدلنے پائے۔ افسانہ پڑھنے والے یہ دیکھیں گے کہ اس شہرزیاں نے کیا غضب ڈھایا، موجودہ سائنس کی ترقی نے آنکھوں کے سامنے سے بہت سے پردے اُٹھا دیئے ہیں۔ ہر تخریب میں تعمیر مضمر ہوتی ہے۔ نظام کہنہ بدل کر ہی تنظیم نو پیدا ہوتی ہے۔ زندگی میں انقلاب ضروری ہے، انسان کی فطرت میں سیمابیت بھری گئی ہے اور وہ ایک حال میں کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ سچ ہے۔

زمانہ ایک ہی حالت پہ جو نہیں قائم کچھ اس میں رمز مشیئت کو دخل ہے شاید

ساتھ ہی شاید ایسا بھی ہو کہ قارئین محسوس کریں کہ یہ افسانہ ایسا نہیں ہے جیسے کہ عام افسانے ہوتے ہیں۔ شائد الفاظ اور جملوں کی بندشیں بھی عجیب معلوم ہوں گی لیکن میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اس بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب ہے، کہانی کا بہاؤ اتنا تیز ہے کہ دیگر لوازمات اس کے ساتھ بہے چلے جاتے ہیں جس تسلسل کے ساتھ مصنفہ نے افسانے کو سوچا ہے اس کی ہم آہنگی آخر وقت تک باقی ہے واقعات یکے بعد دیگرے ایسے ملے ہوئے چلے آتے ہیں گویا موتیوں کی لڑی۔

موآلی جو ایک متمول چینی گھرانے کی اکلوتی بچی ہے مشرق کے سوئے

ہوئے ماحول میں جنم لینے والی امریکہ کی چوبیس گھنٹوں زندہ ماحول میں پروان چڑھتی ہے۔ علم نے بیداری سکھائی اور روح و دماغ کی بیداری کے بعد گھر کے کسلمند خاموش ماحول میں دوپہر تک ریشمی نرم گدوں پر لیٹنا اُس کے لیئے وبالِ جان ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بڑی بلندی پر پہنچ چکی تھی۔ اب کہیں کسی گہری کھائی میں اُتری جا رہی ہے اور اس خیال و احساس سے اس کے جسم میں لرزشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ دیکھتی ہے کہ خوابیدہ زندگی میں اگر کبھی ہل چل سی مچی تو وہ "خنیفم" کی آمد تھی ——— چین کے مشہور ڈاکو نے ٹیکس لگا رکھے تھے۔ نہ دینے والا اس کے پنجہ استبداد سے چھوٹ نہ سکتا تھا اور مولی کا سانس اس کے سینے ہی میں رکا سا رہ گیا۔ جب اُس نے دیکھا شہر والے اتنے بے عمل اور بے حس ہو چکے ہیں کہ خطرہ کی گھنٹی بھی اُن کے کان نہیں کھولتی۔ لیکن جس کی آنکھیں کھل چکی ہوں، اس کی روح بھی بیدار ہو چکی ہوتی ہے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا۔ نئی تعلیم، نئی تربیت نے ایک دوشیزہ میں وہ تڑپ پیدا کی کہ شیر کے منہ میں چلے جانے سے اُس نے منہ نہ موڑا ——— اور خنیفم کے نہ صرف گھر پر بلکہ دل پر قبضہ کر بیٹھی۔

ایک اعلیٰ تربیت یافتہ، امریکی گریجویٹ اور ایک اُجڈ، وحشی جاہل، ڈاکو، بعض وقت فطرت بھی عجیب بندھن باندھتی ہے! لیکن تعلیم کے نور نے جہالت کی ظلمت کو اس طرح مٹا دیا کہ "جیانی" مقاومت میں سب سے پہلا اقدام کرنے والا وہ شخص تھا جس کے

"سر کے لئے انعام" مقرر کیا جا چکا تھا۔

سفر یہاں تک ایک پیرا کو ایسی جگہ ختم کرتی ہیں کہ آگے کا حال معلوم کرنے کے لئے پڑھنے والا بےچین ہو جاتا ہے! ان کے پیدا کردہ ماحول کو انہی کے رنگ میں پیش کرنا میرا مقصدِ اولیں ہے۔

یہ نوجوان چین کی کہانی ہے۔

برطانیہ اور امریکہ کی تعلیم یافتہ ہستیوں اور ہوائی جہازوں سے کھیلنے والے آزادی کے علمبردار چین کی کہانی! اس میں بیداری کروٹ لیتی ہے اور وہموں کے جال کو توڑ پھینکتی ہے "خود شناسی" "شدائت پسندی" اور "جذبۂ عمل" اس افسانے کی جان ہے! ۔ سہ

عمل سے ۔۔۔ زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری ہے ۔۔۔۔۔۔

سعید مظہر

۱۳

۷۸۶

دوپہر کا وقت تھا!

آنکھیں کھولے بغیر مولی جی نے محسوس کیا اب اُس کے اٹھنے کا وقت ہے۔ اُس نے گھر کی پرانی چوکور اینٹوں کے فرش پر قدموں کی چاپ سنی اُس کی ننھی آپا اُس کے لیئے میوے اور مٹھائیاں لئے چلی آ رہی تھی تاکہ اُٹھنے سے پہلے کچھ ٹھنگا رے۔

وہ ایک لمبے وقفے تک بستر پر اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹی رہی اُسے بھوک لگ رہی تھی اور تصور نے اُسے امریکہ پہنچا دیا۔ اُف وہ اُسکے امریکی ناشتے! وہ ناشتے جو وہ کالج میں ہر صبح اُڑایا کرتی تھی —— نارنگی کا رس اوٹمیل اور بالائی نمکین گوشت' اور انڈے، توس اور کافی! اور وہ خوش ذائقہ کافی! اُس نے محسوس کیا جیسے کافی کی گرم سوندھی بُو اُسکے نتھنوں میں گھوم رہی ہے۔

"چھوٹی بیگم! کیا میں آپ کی چاء بناؤں"؟ آرچڈ —— اُس کی ننھی مُنّی آپا —— کی آواز ایک نفیس سلونی کانا پھوسی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس گھر میں مولی ہی اکلوتی بچی آنکھوں کا تارا تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس پر

ذرا سی بھی درشتی کرے۔ وہ جب آہستہ آہستہ بیدار ہوتی نفیس اور سلونی آوازیں اُس کے کانوں میں پڑتیں۔ اور پھر آرچیڈ کی لطیف مہین آواز جیسے اُس کے کانوں میں مٹھاس گھول دیتی۔ کئی سال پہلے اُس کے والد نے آرچیڈ کو صرف اسی کی خدمت کیلئے خریدا تھا۔ آرچیڈ موتی سے صرف دو سال بڑی تھی۔ اس نے چار سال تک موتی کی امریکہ سے واپسی کا انتظار کیا تھا۔ اور انتظار کی یہ مدت اُس نے موتی کیلئے نفیس عمدہ ریشمی انڈرویئر کاڑھ کر بسر کی تھی۔ وہ اپنے فن کی ایسی ماہر تھی کہ اُس کے کام کو دیکھ کر امریکی لڑکیاں حیرت سے چیخ اٹھتی تھیں۔

"اوہ موتی! تم کس قدر خوش قسمت ہو! اور یہ کیسے پیارے کتنے خوبصورت ٹانکے ہیں، واللہ!"

اسے یاد آیا۔ وہ اُس وقت فقط مسکرا اُٹھتی تھی۔ اور دل ہی دل میں آرچیڈ کے ننھے ٹانکوں کو (اس نے کمال عمدگی کے ساتھ پھولوں پرندوں اور تتلیوں کو بنایا تھا) سراہتی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر صرف مسکراہٹ ہوتی۔ جب وہ امریکہ میں تھی تو اُسے اپنا گھر یاد آتا خصوصاً جب وہ آرچیڈ کو سوچ میں ڈوبے ہوئے گھر آمدہ میں دستکاری کرتے ہوئے۔ تصور کی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی ـــــ لیکن حقیقتاً وہ کبھی اپنی غریب الوطنی سے بیزار نہ ہوتی تھی وہاں ـــــ امریکہ میں اس کے لئے بہت کچھ تھا اُسے بہت کچھ کرنا تھا، وہ بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اور اب ـــــ اُف یہ بیکاری! وہ اب کالج کی زندگی کو ختم کر کے گھر پہنچ چکی تھی۔ جہاں اُسے کوئی کام نہ تھا۔

یہی ایک بات تھی جس کو اُس کے والدین سمجھ نہ سکے ــــ بیکاری کو برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے؟

اُس نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں۔ کھولے بھی تو کیوں؟ اُن سے اُس کے ہوشیار رہنے یا سونے میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ جنوبی چین کی اِس خاموش پرانی بندرگاہ کے قصبے میں ــــ کوئی بھی ایسی بات نہ تھی جو اُس کے لئے اہم ہوتی

اس نے آرچیڈ کے مس کو اپنے ریشمی پلنگ پوش پر محسوس کیا۔

"چھوٹی بیگم! آپ کی والدہ ــــ وہ آپ کے ہمراہ معبد جانا چاہتی ہیں، وہ تیار ہیں، اسکے علاوہ میں آپ کے لئے کچھ اور لائی ہوں، آپ آنکھیں کھولیں تو سہی ــــ آرچیڈ انتظار کرنے لگی ــــ وہ سوچنے لگی "کاش موتی پھر سے ایک بگاڑی ہوئی بچی بن جائے، لاڈ کی لڈو"

وہ موتی جو امریکی کالج میں آنرز کی طالب علم رہ چکی تھی۔ اور سینیر کلاس کی پریذیڈنٹ تھی!

"تمھیں علمی قابلیت کی غیبی دین ہے" ــــ ڈگری عطا کرتے ہوئے اس کے پادری نے کہا تھا۔

اب آرچیڈ اس کی خوشامدیں کرتی، اور اُسے محسوس کروانا چاہتی تھی کہ وہ ویسی ہی ایک خودرائے، بسورنے والی اور شریر لڑکی بن جائے!

اُس نے آنکھیں کھولیں اور ایک زرد لاکھی پھولوں کے گلدستے پر اُس کی نظر پڑی۔

"لیمے کے پھول!" موتی چیخ کر اُٹھ بیٹھی "کیا بمبو کے صحن میں پرانی باڑ

پھول گئی ؟"

"بھرپور!" آرچیڈ مسکرائی "میں نے کل ہی جان لیا تھا کہ آج پھول پھوٹ پڑینگے۔ آج صبح وہ ایک سونے کا جھاڑی بنی کھڑی ہے!"

موسم بہار!! ـــــ مولی بستر سے کود پڑی ـــــ جب لیمے کے پھول کھلتے ہیں موسم بلبران ختم ہوچکتا ہے۔ اُس نے جلدی جلدی بیسن میں خوشبودار پانی سے منہ دھویا۔ اور جب تک وہ کپڑے پہنتی اور گرم کافی پیتی رہی۔ آرچیڈ نے سنہرے پھولوں کے گچھے کو ایک سبز چمکدار گلدان میں سجادیا اور مولی کافی پیتے ہوئے اُسے گھورتی رہی۔

ضرور یہ پھول ہی ہیں ـــــ اُس نے سوچا ـــــ جنہوں نے اُسے آج اتنا بے سکون اور بے چین بنادیا۔ وہ اپنے آپ شرمائی سمٹی جارہی تھی۔ کوئی شئے تھی جو بڑی تیزی کے ساتھ اس کے پیروں میں، اس کی باتوں میں، اُس کے کام میں غرض جو کچھ بھی وہ کررہی تھی سمائی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ماں سے بھی جلدی کرنے لگی۔

"ہاں ما۔ لی اب ؟" اُس کی ماں کہہ رہی تھی ہر ایک چیز ہے نا ہمارے ساتھ ؟ خوشبویات۔ روپہلے جوتے جانے کیلئے، معبد کا تحفہ، مرغیاں، میرا حقہ، میرا رومال ؟....... چاء کی ٹوکری، آرچیڈ ڈولی میں ہے وہ ؟ اور کچھ چھوٹے کیک، شاید ہمیں بھوک لگے۔ وہ جو سبزی کے تیل سے بنے ہیں خدا کے لئے نہ لینا، دیوتاؤں کے لئے بڑے نازیبا ہیں!

میری بیٹی! تجھے معلوم ہے۔ دیوتا کتنی جلد بو سونگھ لیتے ہیں۔ اور وہ

انھیں کس قدر ناگوار گزرتی ہے، میں ہمیشہ تجربے کی بات کہتی ہوں میں نے تمہارے بھائی کو کھو دیا، اس لیئے کہ اُس دن ہم نے سور کے کباب کھائے تھے جس دن میں عبادت کے لئے گئی تھی ـــــ اس کی پیدائش سے ایک دن قبل ـــــ اور دیوتاؤں نے میری بو کو پالیا تھا......"

اس کا اپنی مُنحنی ماں کے ساتھ بے صبــری کا اظہار بہت ہی بیڈھب تھا جو اپنے چھوٹے چھوٹے پاؤں پر جھونکے لے رہی تھی۔ مولی اُس سے پیار کرتی تھی۔ ہر کوئی اُسے چاہتا تھا.... لیکن اچانک مولی نے ایک باغیانہ جذبہ محسوس کیا۔ اس سے پھنک پڑی اور بڑی تیزی سے سوچنے لگی" اوہ! میں تو بیزار آگئی اس معبد کے جانے سے۔ اور ماں کی فضول بکواس کو سننے سے!"

اور پھر وہ آگے بڑھی ـــــ اس نے ماں کو ڈولی میں سوار ہونے میں مدد دی اور نہایت ہی تیزی سے بولی" ماں! میں نے تم سے کہدیا ہے اِن بدنما دیوتاؤں میں کوئی حقیقت نہیں ہے"

"ہش!!" اس کی ماں چلائی" تم نہیں جانتیں جانے ہواؤں میں اس وقت کونسی روحیں ہیں؟"

"ماں!!" مولی نے کہا" امریکہ میں ـــــ"

"وہ اپنے دیوتا آپ رکھتے ہیں، کیا ان کے دیوتا نہیں؟" اس کی ماں نے پوچھا" ہر ملک آپ اپنے دیوتا رکھتا ہے، جو اُسکے اپنے پانی، ہوا اور مٹی سے جنم لیتے ہیں"

"میں اُن میں سے کسی سے بھی نہیں ڈرتی" مولی نے ڈولی کے پردوں کو باندھتے

ہوئے کہا۔ یہ پردہ سڑک کے گھورنے والے مجمع سے چھپنے کے لئے تھا۔ "چیانگ چو" (CHANG-CHOU) میں کوئی بھی معزز عورت کھلے بندوں سڑکوں سے گزرنے کا خیال تک نہ کرسکتی تھی ۔۔۔ ہر وہ معزز عورت جس کا خاوند قدیم امیر خاندان کا فرد ہوتا۔

لیکن ننھی مادام چو نے پردے کو ایک انچ کے قریب ورے ہٹایا اور نہایت ہی جوش اور تیزی سے اپنی خوش قامت مضبوط بیٹی سے کہا "جب تم امریکہ میں تھیں تو تمہیں ہمارے دیوتاؤں سے ڈرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر جب تم گھر آگئی ہو تو تم اُن کے قبضۂ قدرت میں بھی لوٹ آئی ہو"۔ پھر اُس نے پردہ برابر کر دیا اور قلیوں سے کہا "چلو" انہوں نے مونڈھوں سے لگے ہوئے بمبوؤں کو ایک جھٹکو لا دیا۔

اپنی بند ڈولی میں مولی کسی قدر تن کے بیٹھی تھی۔ اور دماغ عجیب عجیب سوالات سے بھرپور تھا۔ "کیا ہو جو ۔۔۔ جو اس حالت میں اسے اسکے امریکی کالج کے ساتھی دیکھ لیں؟ گزشتہ جون میں وہ اس کے ہمرہ ہوگئے تھے ۔۔۔ "مولی مجھے لکھو! کہو مولی جو کہیں میں ساری دنیا کا سفر کروں تو تمہیں دیکھنے چین آؤں؟ اور تمہارے پاس ٹھیروں ۔۔۔ براہِ مہربانی مجھے مطلع کرنا" اس نے جواب دیا تھا "جب تم مجھے دیکھنے آنا"

یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ اپنے گھر کے بارے میں شرمندہ ہو۔ کالج کے ہال بھی اتنے شاندار نہ تھے جتنے کہ اس کے پرانے گھر کے کمرے جس میں کئی پشتوں سے اس کا خاندان براج رہا تھا۔ اگر واقعی اُس کا کوئی امریکی دوست آجائے تو اُسے

"عجیب" کہیگا ــــ وہ پھیلی ہوئی چھتیں، چوکور اینٹوں کے فرش والا صحن، وہ بوٹوں جیسے درخت اور ننھے ننھے چشمے لیکن مولی انہیں ایک چیز ہرگز نہ دکھلائے گی وہ اس گھر کا باورچیخانہ، جہاں نوکروں کے غلیظ بچے لوٹتے ہیں اور مکھیاں بھنکتی ہیں۔

وہ خود بھی وہاں نہیں جاتی نوکر خود ہر بات کا خیال رکھتے ہیں۔ اُسے اس گھر سے محبت ہے حالانکہ یہ سکون اور خاموشی اسکے لئے بلائے جان ہے۔ اس کا یہ گھر تین سو سال سے کھڑا ہے ــــ اور وہ ہمیشہ یونہی کھڑا رہیگا کبھی کبھی اس کا باپ بڑے غمگین لہجے میں کہتا ہے "اب کوئی بھی چیز زیادہ دنوں تک نہیں رہیگی۔ جیسا کہ اسلاف کا قاعدہ تھا۔ اب کوئی آدمی بھی ایک لافانی گھر نہیں بنا سکتا۔ کوئی دن ہونگے جبکہ جاپانی آجائیں گے!"

جب کبھی وہ یہ کہتا ہے "مولی ڈر جاتی ہے، مگر صرف ایک لمحہ کے لئے۔ اسکے باپ نے یہ بات تو ہمیشہ کہی ہے۔ اور جہاں تک اُسے یاد ہے وہ بار بار یہ کرتا رہا ہے پھر اُسے یاد آیا "وہ چھوٹے کالے بونے ہیں پکڑ لے جائینگے، بچے گلیوں میں چیخنے" یا پہاڑیوں پر سے ضیغم اُتر آئیگا اور تمھیں ہاتھ کرکے ہڑپ کر جائیگا" وہ لرزتے جاتے اور چیختے جاتے۔

جاپانی اور ضیغم!!! اس کی بچپن کی پریوں کی کہانیوں کے گھٹنے ہوئے۔ اور دیوتھے ضیغم ایک شریر اور بدمعاش جن جب بڑے ہو کر اس نے ان قصوں کہانیوں پر غور کیا تو وہ ایک بھیانک حقیقت بن کر نظر آنے لگے۔

برخلاف اسکے کالج میں ایک بڑی پیاری جاپانی لڑکی تھی ــــ چیو اُس کا نام

تھا۔ چھوٹے سے قد کی سانولی بھدی لڑکی ایک بھتنی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اور موہی دونوں دوست نہ تھیں اور نہ ہی کسی معنی میں دشمن۔ کئی لوگ جیو کو جیاتے تھے۔ اور ضیغم ہے ـــ وہ صرف ایک پرانے قزاقوں کے سردار کا بیٹا تھا جس کو لوگوں نے کبھی دیکھا تو نہ تھا لیکن اس کے متعلق باتیں خوب بناتے تھے اسکے علاوہ وہاں اور کوئی قزاق نہ تھا۔ حکومت اسکے خلاف قانون نافذ کر چکی تھی۔

موہی نے پردے میں ٹنگے ہوئے شیشے سے باہر جھانکا اور پھر بکر فکر میں غرق ہو گئی۔ اگر اس کا باپ شنگھائی میں چل کر رہے، تو ـــ وہ لوگ نیا گھر را پر لینگے، نیا فرنیچر ہوگا، اور آتشدان! شنگھائی کس قدر پرلطف اور خوشگوار مقام ہے، شنگھائی چین کا امریکہ ہے۔" ایک دفعہ اس نے اپنے باپ پر اپنا خیال ظاہر کیا تھا اور اس سے اس کا مقصد وہاں کی رہائش تھی۔ لیکن اسکے باپ نے صرف اتنا کہا تھا "میں ہمیشہ یہیں رہا ہوں" جیسے اتنا کہہ دینا کافی تھا اور ایک لمبے وقفہ کے بعد کہا تھا "گھبراؤ نہیں بیٹی! عنقریب تمہاری شادی ہو جائیگی۔ تم اپنے شوہر کو شنگھائی لیجا سکتی ہو! میں بہت بوڑھا ہوں اور بہت موٹا، میں شنگھائی جا کر کیا کروں؟"

وہ ہمیشہ اس کی شادی کی باتیں کیا کرتا، اور ہمیشہ انہیں سنتی، البتہ کبھی کبھی چیخ اٹھتی "مگر میں یہاں کیا کروں؟؟"

"تمہیں کیا ضرورت ہے کسی کام کے کرنے کی؟" وہ مسکرا دیتا۔ جب موہی بحث کے لئے منہ کھولتی وہ لڑکھڑاتا ہوا چلدیتا۔

اباؔ !! ـــــ وہ بڑی تلخی سے سوچنے لگی تھی ـــــ وہ اگر سوچتے ہیں تو صرف میری شادی! آخر انہوں نے مجھے امریکہ کیوں بھیجا ؟ ؟ ؟

اور ایک دفعہ اُس نے وجہ دریافت کی تھی ـــــ لیکن اُس کے باپ نے صرف سر ہلایا "کسی خاص وجہ سے نہیں میں نے خیال کیا کہ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہاں کے لوگ آخر کیا کرتے ہیں مجھے ان ہوائی جہازوں کے بارے میں پھر کچھ سناؤ۔ تم کبھی ہوو ہو اہیں صرف پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں؟"

اس نے امریکہ کے بارے میں نہ جانے اپنے باپ کے ساتھ کتنے گھنٹے صرف کئے لیکن اس سے اُسے کیا فائدہ ہوا؟ وہ صرف اپنے باپ کا دل بہلانا چاہتی تھی، وہ تو ایک نہایت ہی عمدہ زنانہ کالج کی بی اے آنرز تھی یہ چین کی ایک خاموش ساحلی بندرگاہ میں وہ ایک موٹے بڈھے کو اچھی طرح بہلا سکتی تھی۔

اتنے میں اُس نے ایک جھٹکا محسوس کیا اور ساتھ ہی اپنے کو نیچے اترتے ہوئے۔ آرچبڈ پردے ہٹا رہی تھی۔ موتی پھرتی سے اتر گئی۔

اس کی ماں ابھی ابھی اتری تھی۔ "ہاں ـــــ اوہ آرچبڈ" وہ چلا رہی تھی کہاں ہے وہ ـــــ اوہ! وہاں ہے! میرا رومال کہاں ہے؟ کیا ـــــ ہاں، میں نے اُسے اپنی آستین میں رکھ لیا تھا اور ـــــ اوہ! یہاں ہی مہنت جی!"

مسکراتے ہوئے مہنت جلد جلد سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ اس کا لبادہ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ موتی کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اس کی ماں نے کبھی غور نہیں کیا کہ مہنت جی کی آنکھیں کتنی حریص ہیں اور چہرہ کیسا کریہہ! اس کے ہاتھ کتنے موٹے

چکنے اور بدوضع تھے۔ وہ بار بار جھکے جاتے تھے ـــ یقیناً مہنت ایک بیوقوف امیرزادی کو دیکھ کر ہونٹ چاٹ رہا تھا۔

اس نے معبد کا راستہ اُن کے لئے صاف کیا اور موٗلی اپنی ماں کے ہمراہ دل میں ایک شدید نفرت کئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اسکے پیچھے آر چیڈ داخل ہوئی اُس ـــ نے مڑکر دیکھا ـــ تحفے لانے والے قلیوں کے اطراف مشتاق نگاہیں اور بھوکے چہرے نظر آرہے تھے۔ وہ غریب بھکاری تھے اور ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔

موٗلی نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا وہ اپنی ماں کے ہمراہ اونچے خوفناک دیوالوں میں داخل ہوئی اور بڑی میٹھی خوشبوؤں نے اُسے زرلفتی ریشم کی طرح لپیٹ لیا۔

"باہر جاؤ" اس کی ماں نے کہا "میں ایک نئی دعا کرنا چاہتی ہوں"

موٗلی باہر چلی آئی۔ اس کی اپنی عبادت کا کوئی سوال نہ تھا۔ جب وہ امریکہ سے پہلی بار واپس آئی تھی تو اُس نے خوب عبادت کرلی تھی "میں تمہارے ساتھ معبد ضرور چلونگی، لیکن میں پھر ان پرانے بتوں کے سامنے اپنے گھٹنے نہ ٹیکوں گی" اُس نے اعلان کردیا تھا۔

"ہائے بدتمیز ـــ بدتمیز لڑکی" اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور اس نے اپنے شوہر کی طرف مڑکر کہا تھا "دیوتا ہم سب پر غصہ ہونگے۔"

"ہرگز نہیں، اگر تم ان سے نہ کہوگی وہ ہرگز غصہ نہ ہونگے" وہ آنکھیں جھپکا کر مذاق کرتا "میں برسوں سے معبد نہیں گیا اور ـــ انھیں پتہ بھی نہیں" وہ

پنی بیوی کے مونڈھے کو تھپکی دیتا" اسکے علاوہ وہ تمہارے ایک آدمی کا بال بھی بیکا نہیں کرینگے ــــ کم از کم ان دنوں میں تو۔"

"لیکن میں تو ایسا نہیں سمجھتی" وہ کہتی۔

اور آخر کار موکی ایک دن اپنے باپ سے پوچھ بیٹھی "تم ان دیوتاؤں پر یقین رکھتے ہو ابا؟"

اس نے اس کے کان میں کہا تھا "پھر مجھ سے ایسی بات نہ پوچھنا" اور ڈگمگاتا ہوا اپنے ایک کتابدان کے پاس گیا۔ ایک چھوٹی سی مجلد کتاب دی اور کہا "میں نے کئی سال ہوئے اُسے پڑھا تھا۔"

اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ وہ ڈارون کی "اساس الانواع" تھی اس نے کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ کیا تھا کہ وہ پرانی ناولوں اور غزلوں کے سوا کچھ اور بھی پڑھتا ہے۔ "تمہاری ماں کو دیوتاؤں کی ضرورت ہے۔ تمہیں اور مجھے نہیں!!" اس کی آنکھیں کیسی ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔

سمجھنے کی ایک لہر دونوں میں دوڑ گئی! جب وہ حد سے زیادہ غذا اور شراب سے بدمست ہو کر کوچ پر پھیل جاتا اور خراٹے لیا کرتا اور اپنے وقت کو سستی اور کاہلی کی نذر کرتا، اس وقت موکی اکثر اس مسئلہ پر سوچا کرتی۔ بار بار غور کرتی! "وہ کس طرح خود کو ایسے برباد کرسکتا ہے؟" وہ غم و غصہ کے ملے جلے جذبات میں ڈوب کر سوچتی ــــ جب امریکہ کے بارے میں وہ اپنے باپ کو تفصیلات سناتی اور اپنی دیکھی ہوئی چیزوں کا ذکر کرتی تو وہ دفعتہً اپنے کان

کھڑے کر لیتیا اور سمجھ جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے!

ایک بہت ہی قلیل عرصے کے لئے سمجھوتے کی ایک لہر اُن کے درمیان دوڑ جاتی!

وہ انتہائی تلخی سے سوچنے لگی ـــــ یہاں ـــــ اس شہرِ خموشاں میں کچھ بھی نہیں! معبد کے ایک کونے سے پجاریوں کے بھجنوں کی بھنبھناہٹ آئی مست اور خواب آلودہ! دفعتہً اُس نے محسوس کیا ـــــ وہ صدیوں کا پرانا بھجن! اوہ! وہ اب اُس کو برداشت نہیں کر سکتی!

وہ وہاں سے چلی گئی اور معبد کے دروازے میں کھڑی ہو گئی۔ یہاں سے باہر کی سیر ہو سکتی تھی۔ معبد کا صحن بیچنے والوں سے پُر تھا، سبزی، کیک، عود و عنبر، کاغذ، چڑھاوے، پکے ہوئے کھانے، ہر چیز وہاں موجود تھی لیکن بے حد غلیظ اور لوگوں کا اژدحام ـــــ جن کے شور و غل سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔

یکایک موسمِ بہار کی ہواؤں نے اُسے گھیر لیا۔ شہر پناہ کی اونچی دیوار پر سے اڑتی ہوئی تازہ اور میٹھی خوشبوؤں سے لدی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں جو سرد نہ تھیں! مو لی نے سوچنا شروع کیا، اس کے ذہن میں ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہواؤں نے ایک نئی قوت پیدا کر دی تھی، اسکے دل میں نئے نئے جذبے کروٹیں لینے لگے، جیسے صبح کی سہانی ہواؤں سے خوابیدہ اجسام بیدار ہونے لگتے ہیں۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا" اُس نے بڑے پُرجوش انداز میں سوچنا شروع کیا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ـــــ میں یہاں تمام عمر نہیں رہ سکتی

اور نہ ہی ان لوگوں جیسی سست اور بےحس زندگی بسر کرسکتی ہوں ۔ مجھے وہ زندگی چاہیئے جس میں بہتی ندی کا ساز و رغنو رہو، روانی ہو، ہلچل ہو، ٹھہراؤ نہ ہو، جس میں پارہ کی تڑپ ہو اور بجلیوں کی سی بیقراری!

اُس وقت اُسے اپنے پیچھے آرچیڈ کی آواز سنائی دی، جو اپنا گلا کھنکھار کے صاف کر رہی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا آرچیڈ بڑے مزے سے بہت ہی شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ شرارت کی لہریں اسکے کانوں کی لووں کے پاس کھیل رہی تھیں!

"کیا بات ہے؟" موتی نے پوچھا "بڑے مزے میں ہو!"

"چھوٹی بیگم"! آرچیڈ نے آنکھیں مٹکا کر پوچھا "آپ جانتی ہیں اس وقت آپ کی والدہ کیا دعا مانگ رہی ہیں؟" "نہیں تو" موتی نے جواب دیا "میرا معاملہ نہیں"

لیکن میں سمجھتی ہوں کہ شاید آپ ہی کا معاملہ ہے" آرچیڈ ہنستے ہوئے بولی کیونکہ وہ اپنی لاڈلی کے لئے خاوند مانگ رہی ہیں" موتی اُسے گھورنے لگی شوہر!! ـــــ اسکے لئے؟"؟ "ارے چپ بھی ـــــ شریر کہیں کی" اُس نے آرچیڈ کو بری طرح آنکھیں نکال کے ڈانٹا۔

اس کی ماں معبد کے دروازے سے نکلی "دعا کے لئے آج بہترین دن ہے" اس نے ہنستے ہوئے کہا، مارے مسرت کے اس کا سنہری رنگ سرخی مائل ہو گیا تھا اور قلبی طمانیت سے دمک رہا تھا "میں نے محسوس کیا دیوتاؤں نے جھک کر میری باتیں سنی ہیں۔ میں نے جب درخواست کی تو ان کے

سانس کا لمس میرے چہرے پر پڑ رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا مقصد مجھے مل گیا۔ مجھے یقین ہے ـــــ اچھا ـــــ اچھا اب چلو گھر چلیں ـــ کہار سے آر جلد ـــ چلو تالی۔

موتی نے اپنی ماں کی آنکھوں میں ایک چمک دیکھی۔ وہ بخوبی سمجھ گئی اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ کوئی منصوبہ باندھ رہی تھی۔

منتظر ڈولیوں میں وہ سوار ہو گئیں۔

راستہ طویل تھا اور موتی کے لیئے ایک نیا شغل ـــــ یعنی سوچنا بجا۔ ڈولی میں وہ ہر ایک بات سوچ سکتی تھی۔ اس نے سوچنا شروع کیا " موتی اپنی ماں سے کچھ بھی نہ پوچھے گی وہ جب گھر پہنچے گی تو تیر کی طرح سیدھی اپنے باپ کے پاس جائے گی ابا میں کسی سے شادی نہیں کرونگی" وہ اُن سے کہیگی "میں کسی آدمی سے شادی نہیں کروں گی حتیٰ کہ ـــــ حتیٰ کہ ـــــ بار بار اس نے سوچا وہ کیا کہیگی، اس کے آگے وہ اور کیا کہہ سکتی ہے لیکن کوئی بات اس دل میں تو تھی مگر زبان پر نہ آتی تھی ـــــ یکا یک اُس نے محسوس کیا وہ گھر پہنچ گئی۔

" میرے ابا کہاں ہیں" اس نے دربان سے پوچھا۔

" وہ کتب خانہ میں آرام کر رہے ہیں" بڈھے افیونی دربان نے خواب آلود آواز میں جواب دیا۔ اور موتی گویا صحن سے اڑ گئی لیکن جب وہ کتبخانہ پہنچی تو اُس نے محسوس کیا اس کا باپ سو نہیں رہا ہے کسی ضروری قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ ابا یہ سوچ کر اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

کمرے کے وسط میں۔ وہاں تین بوڑھے آدمی ــــ قائدین شہر (CITY ELDERS) ــــ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے چائے کے پیالے رکھے ہوئے تھے۔ اور چائے کے گرم بخارات کمرے میں مرغولے بنا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ کہ وہ چائے نہیں پی رہے تھے، انہیں چائے کے ٹھنڈے ہونے کا بھی افسوس نہ تھا، آگے کو جھکے ہوئے۔ سر سے سر جوڑے ہوئے کھسر پھسر کر رہے تھے۔

جیسے ہی وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اُن لوگوں نے گھبرا کر سر اٹھائے اُن کی نیچی نیچی آنکھیں قدرے کشادہ ہوئیں۔ اور جب اُن لوگوں نے دیکھا آنے والا شخص کوئی ہے۔ تو پھر ان کی آنکھیں بھچ گئیں۔ اس کا باپ اٹھا "مائے ــ لی، میں ابھی تمہیں بلوانے والا تھا" اس نے کہا" تمہاری ماں کہاں ہیں، تم دونوں کو ابھی فوراً شنگھائی چلا جانا چاہیئے، جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکے!"

"کیوں ــــ کیوں؟؟" اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

لیکن اُس کا باپ اُسے دروازہ سے باہر دھکیل رہا تھا "دشمن" اُس نے اس کے کان میں کہا "دشمن شہر پر حملہ کرنے والا ہے!" اس کی آنکھوں میں دہشت بھری ہوئی تھی، وہ بڑی خوف زدہ نظروں سے اسے گھورنے لگا، اور پھر آپ ہی آپ بڑبڑایا "گویا یہ کافی نہیں تھا یہ جو ہمارے سواحل پر جاپانی قہر رہے ہیں اس کا گلا رندھ گیا، اس نے سختی سے غم کو نگلتے ہوئے کہا" ہم بہت جلد دشمن کو اپنے لوگوں کے ٹکڑے اڑاتے دیکھیں گے" اس کے بعد اُس نے دروازہ

بند کرلیا۔

مرلی ایک لمحہ تک ساکت و صامت کھڑی رہی، پھر مچل گئی "کھولو۔ کھولو" اس نے دروازہ پر ہاتھ مارتے ہوئے بچوں کی طرح ضد کی پھر یکدم رُک گئی۔

ضیغم! ــــ اس کا باپ کتنا ڈر گیا ہے، سچ مچ ڈر گیا ہے، یہ ڈر ــــ وہ سوچنے لگی! "کتنا مضحکہ خیز ہے! اس نے اپنی زندگی میں اکثر ضیغم کی داستانیں سنی تھیں، ماں باپ، انا۔ دادا سبھی اسے ضیغم کے ڈراؤنے قصے سناتے ضیغم کے ڈر کے مارے لوگوں کی جانیں نکلتیں وہ مشرقی پہاڑیوں پر رہتا تھا۔ بلکہ ہزار قزاقوں کا سردار شہر کی حفاظت اور تباہی سے بچنے کے لئے اُسے ایک بڑی کثیر سالانہ رقم بھی دی جاتی تھی۔ اس نے اپنے باپ کو اکثر ضیغم ٹیکس" کا ذکر کرتے سنا تھا۔

جب ضیغم اور اس کے ساتھی اپنے آہنی دروازوں سے ابل پڑتے اور گھروں اور دکانوں میں گھس پڑتے تو چھوٹے چھوٹے قصبے اپنی فریاد ضیغم کے سامنے پیش کرتے "ہم غریب ہیں" ــــ دریادل ضیغم انہیں بغیر لوٹے لوٹا جاتا۔ اور جب وہ چلا جاتا تو یہاں اُن قصبوں کے دروازوں پر رحم کی درخواستیں لگائی جاتیں "مہربانی کرکے چلے جاؤ، یہاں سے گزر جاؤ ــــ ہم ابھی ابھی لوٹے گئے ہیں ــــ ہم قلاش ہوگئے ہیں!" یہ پیش بندی دوسرے قزاقوں کے لئے ہوتی جیسے "نیلا بھیڑیا" وغیرہ حالانکہ نیلے بھیڑئے کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ پہاڑوں کے پیچھے رہتا ہے۔

لوگ نیلے بھیڑیئے سے اتنے خوفزدہ نہ تھے جتنا ضیغم سے۔ ہر شخص سوچتا بوڑھا ضیغم مرجائیگا اور؛ چھوٹا ضیغم بڑا ہوگا، ہائے پھر تو امیدوں کی لٹیا ڈوب جائے گی" کیونکہ مشہور تھا کہ چھوٹا ضیغم اپنے باپ سے دُگنا زبردست اور چوگنا ہوشیار ہے۔ حالانکہ اُسے کسی نے بھی دیکھا نہ تھا۔

مولی —— کھڑی سوچتی رہی وہ ساری داستانیں جو اُس نے نوکروں اور آرچرڈ وغیرہ سے سنی تھیں ایک ایک کرکے اُسے یاد آتی گئیں۔ دفعتہً اُسے امریکہ کا خیال آیا!، ایک جوالا مکھی تھا کہ پھٹ پڑا! اس کا سینہ چند اور آرزوؤں کی آگ سے جل اُٹھا۔ اُس نے تڑپ کر سینہ پر ہاتھ رکھ لیا وفورِ جذبات سے ہونٹوں پر مہر لگ گئی اور آنکھوں سے تارے ٹوٹنے لگے!

اُس نے ایک قدم بڑھایا اور کتبخانے کا دروازہ کھول دیا۔ تینوں بوڑھے اُس کی طرف دیکھنے لگے، اُس کا باپ رقم گن رہا تھا "تاکہ ضیغم انھیں اُن کے حال پر چھوڑ دے —— اور یہ رشوت منظور کرلے!

"ابا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں، بھلا قزاق کو کوئی اپنی خوشی سے اتنی رقم دیتا ہے، اور کیوں دے آخر؟" اُس نے جھلا کر پوچھا۔ رقم کا ڈھیر دیکھکر اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ ساتھ ہی اُسے اپنے ملک کے کئی غریب اور مفلس یاد آئے جنھیں تن کیلئے کپڑا میسر تھا نہ پیٹ کے لئے روٹی

اُس نے مولی کی طرف بڑے تعجب سے دیکھا" کیوں کیا ہم ابتک ضیغم کو ایسی رقم نہیں دیتے رہے ہیں۔ اُس نے اُسے سمجھایا "وہ بڈھا اتنا بد نہیں تھا بیٹا جتنا یہ جوان ہے، سنتے ہیں اُس کے بڑے بڑے خیالات

ہیں اور نئے نئے ہائے ننگا ؤ!" اور تم اُسے مدد دینے چلے ہو!" وہ چلائی۔

اُس کا باپ اُٹھ کھڑا ہوا "میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ" وہ غصّے سے آگ بگولہ ہوگیا، کتنی یہ چھوکری اور کتنی اس کی عقل اس نے ڈانٹا "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمھیں ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئیے، تم شنگھائی چلنے کے لئے التجائیں کرتی تھیں، اب وہاں جاؤ، خوب خوب اپنے رشتہ داروں بہنوں بھائیوں سے ملو، ناچو، گاؤ اور خوب مزے اڑاؤ" اس کا غصہ بھی جوار بھاٹا تھا، ابھی چڑھا ابھی اترا اب وہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"اور آپ کو یہاں چھوڑ دوں؟"

"میں کوئی نوجوان لڑکی نہیں ہوں!" اس نے اُسے دروازے سے دھکیلتے ہوئے کہا "چلی جاؤ!" زور سے ڈانٹ دیا اور جھک کر بڑی نرمی سے اسکے کان میں کہا "کیا تم دیکھتیں نہیں بیٹی میں قائدین شہر کے سامنے شرمندہ ہو رہا ہوں اور کچھ نہیں تو جھوٹ موٹھ ہی میری اطاعت کا بہانہ کر و بیٹیا" ____ جوار بھاٹا!!

وہ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور دھم سے بستر پر بیٹھ گئی۔ غصے سے کھول رہی تھی۔

"کیا یہ شہر اُس کا اپنا ہے"؟

"آج صبح اس نے کیا دیکھا؟ ____ وہ معبد کے دیوتا ____ پرانے بھدے مٹی کے بت! جن پر رنگین کاغذ اور سنہرا روپہلا رنگ لگا ہوا ہے

اُن کے چہرے کیسے بھدے کیسے غضبناک بنائے گئے ہیں ـــــ یہ سب محض جاہل لوگوں کو ڈرانے کیلئے ۔ اوہ یہ مذہبی ڈھونگ !! اور ـــــ اور وہ جہنت! وہ پنڈے! وہ مکار، فریبی، لالچی سور! اس کی وہ کھلی ہوئی توند ـــــ معصوم امیرزادیوں کو لوٹنے کے لئے وہ کیسی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے! اور ـــــ اور وہ بند، دم گھوٹنے والی ڈولیاں اور ان کے ہچکولے! توبہ!" اُس نے محسوس کیا اس کا سارا جسم دکھ رہا ہے جھکولوں نے اُسے چور چور کر دیا اور وہاں ـــــ امریکہ میں کیسی پیاری موٹریں ہیں!

"اور اب ؟ ـــــ اور اب!

"ایک "جنگ کا دیوتا" شہر پر حملہ کرنے والا ہے ؟ حد ہے مصیبتوں کی!" اُس نے محسوس کیا اُس کا دم سینے میں گھٹ رہا ہے۔ "مجھے اس جگہ سے کوئی واسطہ نہیں ـــــ کوئی واسطہ نہیں" وہ چلا اٹھی "اُفوہ کیسا ہیبت ناک شہر ہے۔ اسے تو پرانے شہروں کے ساتھ اب تک کبھی کا دفن ہو جانا چاہئے تھا! اُس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

میں اب برداشت نہیں کر سکتی! میں اب بالکل شہر میں نہیں رہ سکتی

دفعتاً اُس کی مٹھیوں کی گرفت اور سخت ہو گئی ، اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، رُخسارے تمتما اُٹھے!

وہ منصوبے باندھنے لگی اور خیالات کی روانی میں وہ زرد لیمپ کے پھولوں کی خوشبو سے مست ہوتی رہی۔ اُن کی خوشبو نے اُسے ایک نیا پیغام

دیا، اُس کے سینے کی جلن میں حدّت کم کر دی البتہ ایک مُصمّم ارادے کو جنم دیتی رہی'!

دروازہ کھلا اور جھپاک سے آرچڈ اندر داخل ہوئی۔

"چھوٹی بیگم"؟ وہ چلانے لگی "کچھ سنا آپ نے۔ ہمیں فوراً شنگھائی چلا جانا چاہیئے۔" وہ اسباب سمیٹنے لگی۔ ہمیں فوراً چلا جانا چاہیئے، یعنے شنگھائی فوراً چلا جانا چاہیئے، کیونکہ ــــ کیونکہ، وہ موتیوں کی۔ مالا آپ نے کہاں رکھی ــــ ہاں تو ــــ وہ ــــ سنا آپ نے ــــ وہ ضیغم پھر! ــــ جی ہاں آپ کی والدہ نے کہا ہے میں آپ کے کپڑے باندھ لوں" موکی نے گھبرائی ہوئی آرچڈ کو دیکھا اور مُسکرائی "بہت اچھا آرچڈ!" موکی کے لہجے کی نرمی سے آرچڈ اتنی حیران ہوئی کہ چیخ اٹھی۔ "تمہیں معلوم ہے ضیغم کیا بلا ہے؟ کیا تمہیں ضیغم سے ڈر نہیں لگتا؟" اور حیرت سے اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ موکی نے لیمے کا گلدستہ اُٹھا لیا؛ اسکے زرد پھولوں کو چومتے ہوئے اپنے سینے سے بھینچ لیا ــــ "میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی!" وہ پھولوں کو چوم رہی تھی!

....

"اب!" موکی نے سوچا "بس اب یہی موقع غنیمت ہے!" چرچراتی ہوئی پرانی ساحلی کشتی نے اب آخری سیٹی دی۔ قلیوں کی گڑبڑ اب کم ہو رہی تھی۔ اس کا باپ جا چکا تھا۔ "خدا حافظ ــــ خدا حافظ" وہ گھاٹ پر کتنا اداس کھڑا تھا۔ اور پھر وہ بہت ہی افسردہ و ملول ڈولی

میں سوار ہو گیا۔ اُس کی ماں نے کہا۔

"میں بستر پر جاتی ہوں ما ___ لی ___ ذرا دم تو لے لوں، ورنہ میں بیمار ہو جاؤنگی"

"ہاں ہاں" وہ مسکرائی "تم آرچڈ کو بھی اپنے ساتھ لیجاؤ میں سب دیکھ بھال کرلوں گی"

عرشے پر صندوقوں کا انبار تھا۔ موتی کو انہیں گننا بھی تھا۔ اور گنتے گنتے موتی کو آرچڈ کے کپڑوں کا ایک بنڈل بھی لینا تھا ___ سادہ کھدر کے بنے کپڑے، ایک بڑی پھولدار دستی میں بندھے ہوئے تھے۔

اب وہ لمحہ آیا جب آخری بار ملنے والے جدا ہو رہے تھے۔

موتی جھکی، اس نے وہ بنڈل اٹھا لیا اور چشم زدن میں پلٹنے والے مجمع میں غائب ہو گئی۔ گلی میں پہنچ کر وہ ڈولیوں کے اڈے کے پاس رک گئی۔

"ایک دن کا کیا کرایہ لو گے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک نقرئی سکہ اور چاء کا خرچ، سرکار بڑی دیالو ہیں!" ایک مضبوط تگڑے قسم کے آدمی نے جواب دیا "منظور" اس نے جواب دیا "اور ہاں، قلی ذرا مضبوط ہوں، ہمیں پہاڑ پر جانا ہے"۔

"کسی معبد کو خاتون؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"نہیں اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "ضیغم کی پہاڑی کو"

"خاتون!" وہ چیخ اٹھا "کوئی قلی اس پہاڑی پر چڑھ نہیں سکتا، وہاں کا

گیا پھر نہیں پلٹتا۔"

"تو پھر دامن تک!" اس نے پوچھا۔

"اچھی بات ہے" ہچکچاتے ہوئے اُس نے کہا۔

وہ ڈولی میں بیٹھ گئی، پردے کھینچ لیئے، اور حکم دیا "چلو!"

کوئی لمحہ بھر کے بعد ہوگلی نے خود کو ہوا میں اوپر اٹھتے ہوئے محسوس کیا۔

اور پھر وہی مانوس لمبے لمبے قدم اور جھکولے تھے! ــــ ایک گھنٹہ تک وہ گھڑی دیکھتی رہی اور سرحد سے نکل جانے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر پردوں کے پیچھے اُس نے کپڑے بدلنے شروع کئے۔ آرچرڈ کے ڈھیلے ڈھالے سوتی نیلے پاجامے کو پہن کر اُسے ہنسی آئی اور اس کے نیلے سوتی کوٹ میں گھس کر وہ کھلکھلا پڑی۔ صبح ہی اُس نے مضبوط امریکی جوتے پہن لئے تھے۔

"خاتون!" ایک قلی چلایا "بڑے دیوتا کا واسطہ ذرا چپکے بیٹھے رہو۔ تم ہلتی ہو ہمارے کندھے پسے جاتے ہیں۔"

"ہوا کتنی سرد ہے، میں اُس سے بچنے کے لئے ایک لباس اور پہن رہی ہوں" اُس نے چیخ کر جواب دیا۔ سامنے دامنی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اُبھر رہی تھی۔ اور وہ قصّوں، کہانیوں میں سنی ہوئی پہاڑی فضا، ایک حقیقت بن کر اس کے سامنے تھی۔ جھٹکے سے ڈولی زمین پر اتر آئی۔ اُس نے اپنے کپڑے مضبوطی سے آرچرڈ کے بنڈل میں باندھے۔ اور باہر نکلی۔ اُس کے اطراف اجنبی شہر تھا ــــ نکیلی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں سمندر کی موجوں کی طرح پہاڑ کے دامن میں پھیلی ہوئی تھیں۔ زرد رنگ کی لپٹی ہوئی مٹی کے ایک چوکور

قطعے پر کھڑے ہوئے موکی نے اطراف نظر دوڑائی۔ وہیں قریب ہی ایک چھوٹا سا مٹی کا گھر تھا۔ اور ایک طرف کو کوئی آدھ درجن گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک بہت ہی تُرشرو قسم کا کِسان دروازے سے نکلا۔

"ایک گھوڑے کا کیا کرایہ ہوگا" موکی نے دل کڑا کرکے پوچھ تو لیا لیکن اُس نے محسوس کیا ایک نامعلوم خوف سے وہ ہلکے ہلکے کانپ رہی ہے۔

"یہ ضیغم کی ایک دوست ہے" ایک مضبوط قلی نے اس آدمی کے کان میں کہا۔

"تم نے پہلے ہی کیوں نہ کہا" تُرشرو کِسان نے ڈانٹا "خاتون آپ اکیلی نہیں جا سکیں۔ راستے گہرے ڈھلوان ہیں اور اُن میں جنگلی درندے بھی ہیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا"

"بہت خوب" اُس نے جواب دیا۔ اس کے ہاتھ میں قلیوں کی مزدوری تھی جس کو اُس نے پردوں کے پیچھے ہی نکال لیا تھا۔ تُرشرو کِسان نے دو مضبوط گٹھیلے چھوٹے گھوڑے کھولے اور سامنے لے آیا۔ زینیں پیالہ ہیول کی سی تھیں۔ اونچی اور ریشمی سلک سے چمکتی دمکتی۔ لیکن جب وہ اس پر بیٹھی تو وہ بہت ہی آرام دہ ثابت ہوئیں۔ وہ آدمی ایک پھلانگ لگا کر بیٹھ چکا تھا۔

"تیار!" اُس نے کہا ــــ اور گھوڑے چلنے لگے۔

اب پھر موکی تھی اور اس کی خیال آرائیاں ــــ تخیّل نے اُسے ضیغم کی پہاڑی سے اُٹھا کر شنگھائی جانے والی پرانی کشتی پر پہنچا دیا۔

"اب ماں اور آرجِنڈ غصہ سے کانپ رہی ہونگی، مگر اب وہ مجھے کہاں پائینگی۔ اور پھر اب وہ کیا کر سکتی ہیں؟ کشتی لوٹانے سے رہیں۔ اِس

پرانی کشتی پر ریڈیو بھی تو نہیں ہے۔ چلو یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ اس طرح بغیر شنگھائی پہنچے وہ تار بھی نہیں کر سکتیں اور جب تک وہ شنگھائی پہنچیں دو دن لگیں گے! دو دن! اور وہ بلا کھٹکے گھر پہنچ جائیگی ـــــ اگر ـــــ یہ کہ"

"خاتون آپ یہاں کب سے ہیں؟" دفعتہً اُس آدمی نے پوچھا۔

"بڑی مدت سے" اس نے چونک کر جواب دیا۔

"اوہ!" اُس نے کہا "میرا خیال تھا میں نے تمھیں پہلے کہیں نہیں دیکھا ہے۔ مگر میں خود صرف ایک سال سے یہاں رہتا ہوں۔ بوڑھا کسان گزشتہ موسم بہار میں مر گیا۔"

مولی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"یہاں کے گرد و نواح، تم دیکھو گی خاتون، بہت بدل گئے ہیں۔ وہ کہے گیا" ہر آدمی کہتا ہے۔ نوجوان ضیغم کے ساتھ ہر چیز بدل گئی ہے۔ میں نہیں جانتا ـــــ یہ ضیغم نوجوان ہے کہ بوڑھا؟"

"دونوں" اس نے جواب دیا۔

"اوہ!" وہ حیرت سے چلا اُٹھا "تم اس کی رشتہ دار ہو؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔ وہ بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"یہ رہا پھاٹک!" وہ چلایا اور گھوڑے پر سے کود پڑا۔

ایک بڑا عظیم الشان پھاٹک جو پٹے ہوئے لوہے سے بنا ہوا تھا، قلعہ کی دیواروں میں لگا ہوا تھا۔ اس میں کئی در بچے تھے۔ اس آدمی نے اُسے پیٹنا شروع کیا۔

پھاٹک کا ایک دریچہ کھلا اور ایک وحشی، الجھے ہوئے بالوں والا سر اس میں سے باہر نکل پڑا۔

"صنیغم کی رشتہ دار" گھوڑے والے نے کہا۔

"رشتہ دار؟" الجھے ہوئے بالوں والے وحشی نے کہا "مجھے تو کسی نے کہا نہیں"

"اُف! کتنی دور سے میں آرہی ہوں" موتی نے کہا اور گھوڑے پر سے پھسل پڑی۔ ایک نقروئی سکہ اپنے رہنما کے ہاتھ پر رکھدیا۔ "تمھارا بیحد شکریہ، میں اپنے بھائی سے کہوں گی تم نے مجھ پر کیسی مہربانی کی ہے" اور قبل اسکے کہ وہ دونوں کچھ سوچیں جھپاک سے پھاٹک میں داخل ہوگئی "میرے عزیز ——— بھائی سے کہو میں آگئی ہوں" یہ کہکر دیوار سے لگی بنچ پر بیٹھ گئی۔

"تمھیں میری ماں کی قسم سچ بتاؤ تمھارا رشتہ دار بھائی کون ہے؟" اس آدمی نے جواب اندر آگیا تھا جواب طلب کیا۔

"کیوں ——— کیا یہ صنیغم میرا رشتہ دار نہیں ہے؟" موتی نے جھک کر جواب دیا لیکن دل کی دھڑکن کے ساتھ آنکھوں کی چمک بھی بڑھتی جارہی تھی۔

وہ آدمی اُسے گھورنے لگا۔ اور ساتھ ہی بڑبڑاتا بھی جاتا تھا "لیکن مجھ سے تو کسی نے نہیں کہا۔ کوئی آتا تو مجھے اطلاع کیسے نہ ہوتی؟

"اب کوئی جانے کہ نہ جانے، لیکن میں تو اب یہاں ہوں"

اُس آدمی نے سر کو پیچھے پھینکا، اور سوچتا ہوا چلدیا۔ موتی اکیلی رہ گئی۔

اُس نے کافی انتظار کیا۔ ہاں! اب وہ یہاں تھی! اُس کا اِس طرح اپنے منصوبے کو پورا کرنا، کیا یہ دیوانگی سے کچھ کم ہے؟ اور اب وہ ضیغم کے پہاڑ پر یکہ و تنہا ہے!؟ اس خیال سے کہ وہ یکہ و تنہا ہے اور ضیغم کے پہاڑ پر ہے وہ لرز گئی اور

اس نے اپنا سینہ ٹٹولا۔ وہ وہاں موجود تھا! ـــــ ایک ننھا لوہے کا پستول جس کو اس کے باپ نے بہت دن ہوئے ایک آوارہ گرد ضرورت مند اجنبی سے خریدا تھا ـــــ پچھلی رات اس نے کیا کیا تھا؟ ـــــ رات گئے رینگتی ہوئی کتب خانہ میں گئی اور ڈرائر سے اُسے نکال لائی۔

وولی نے سوچنا شروع کیا۔

"کیا وہ کل ہی کی رات تھی؟ ساری واردات ایک خواب بن گئی تھی سوائے اس لمحہ کے ـــــ

جس صحن میں سخت بنچ پر وہ بیٹھی تھی وہ بوڑھے ضیغم کا بنایا ہوا تھا جب یہ بنا تھا وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھی وہ سوچنے لگی۔

"غریبوں کے روپے پیسے سے بنی ہوئی یہ عمارت ـــــ اور ......" اس کا غصہ بڑھنے لگا لیکن اک دم سے وہ ڈر گئی اور سہم گئی۔

اندرونی پھاٹک چرچرا رہا تھا۔

وہ آدمی واپس آیا۔

"ضیغم کہتا ہے اس کی ماں کی قسم اس کی کوئی رشتہ دار بہن نہیں ہے" وہ بڑبڑایا لیکن اُس نے مجھ سے پوچھا تم ہو کچھ قبول صورت ـــــ میں نے کہہ دیا

ہاں تم ہو کچھ کچھ ـــــ اور اُس نے کہا اچھا تو اُسے اندر لے آؤ"

مُولی نے اپنا ہاتھ سینہ پر پستول پر رکھ لیا اور اُس کے پیچھے چلی۔ انھوں نے ایک صحن کے بعد دوسرا صحن طے کیا اور ایک عظیم الشان لیکن خالی ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اُسے بھی طے کیا۔ اب اُس کے رہنما نے ایک دروازہ کھولا۔

"حاضر ہیں" اُس نے کہا اور مولی کمرے میں داخل ہوئی۔

ایک بڑے سے میز کے پاس ایک دراز قد نوجوان ٹائپ رائٹر سامنے رکھے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ مولی دنگ ہو گئی ــــ وہ کس قدر بیباک اور خوبصورت نوجوان تھا!

"بیٹھ جاؤ" اُس نے مولی سے کہا اور آدمی سے کہا "جاؤ!"

مُولی فوراً بیٹھ گئی اور اپنے بنڈل کو اُس نے بنچ کے نیچے رکھ دیا۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو اُس نوجوان نے کہا۔

"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ میری رشتہ دار بہن ہو، میری تو کوئی ایسی بہن نہیں ہے؟"

یہ جیفیسم تھا!

مولی نے اُسے بیک نظر پہچان لیا۔ وہ مُسکرا دی۔

"مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ میں یہاں ایک ٹائپ رائٹر بھی دیکھ سکوں گی"

"یہاں ـــ اس میں کچھ خرا ــــ بی ہو گئی ہے" اُس نے ٹائپ رائٹر پر

جھنجلا کر کہا "میں نے اس پر ہمیشہ کام کیا ہے، اور کیے جاتا ہوں۔ لیکن اب اس کو خدا حافظ کہہ دوں گا اور پہاڑ پر سے پھینک دوں گا کیا بتاؤں اُس نے مجھے کہاں تک تنگ کیا ہے ۔۔۔ لیکن اُن کا ملنا بڑا مشکل ہے، اِسلئے میں چاہتا ہوں اِس دفعہ اور کوشش کر دیکھوں!

"میں اپنے کالج میں اپنے پرچے اس پر حل کیا کرتی تھی" موتی نے کہا "میں اُسے دیکھوں گی" وہ کچھ نہ بولا۔

اور موتی اُس کے بالکل قریب چلی گئی۔ اُس نے گہرے سیاہ اُون کا لباس پہن رکھا تھا۔ کنجیوں پر اُس کے بڑے بڑے خوب صورت ہاتھ ڈھنکے ہوئے تھے۔

"مجھے دیکھنے دو" موتی نے کہا "ذرا تم اُٹھو گے"

وہ فوراً کھڑا ہوا۔ موتی بیٹھ گئی، اور مشین کو دیکھنے لگی۔

"اوہ اِس جگہ ہے خرابی" موتی نے کہا "رِبن کو یوں رہنا چاہیئے تھا" اور دیکھتے دیکھتے اُس نے مشین ٹھیک کر دی، اور ایک انگریزی جُملہ ٹائپ کر دیا۔

"سب نیک آدمیوں کے لیئے اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت کی مدد کو آئیں"۔

"تم انگریزی بھی جانتی ہو؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں امریکہ گئی تھی، وہاں کے کالجوں میں میں نے تعلیم پائی۔ وہاں میں نے ہر وقت ٹائپ رائٹر استعمال کیا ہے"۔

موکی نے اوپر دیکھا۔ اس کی آنکھیں اُس سے چار ہوئیں، وہ اُسے بڑی مسرت بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میرے پاس ایک انگریزی کتاب ہے۔ میں اُسے پڑھنے کی کوشش کر چکا ہوں، لیکن میں اُسے بالکل سمجھ نہیں سکتا ـــ کیا تم ...... ؟"

"کیوں نہیں ـــ یقیناً" وہ مسکرائی

اُس نے ایک ڈرائر سے ایک کتاب کھینچ نکالی "اسے سمجھاؤ!" اُس نے گویا حکم دیا۔

وہ کارل مارکس کی کتاب "زر" کا انگریزی ترجمہ تھا۔

"ضیغم!" موکی دل ہی دل میں ہنسی "اُس سے کسی کو کیوں ڈرنا چاہئیے؟"

"میں انگریزی کا علیحدہ علیحدہ ایک ایک لفظ سمجھ جاتا ہوں" بڑے افسوس سے وہ کہہ رہا تھا "لیکن میں اِس کتاب کو نہیں سمجھ سکتا۔ اُس کا (کارل مارکس کا) آخر مطلب کیا ہے؟"

"یہ سمجھانے کیلئے تو ایک بڑی مدت درکار ہے۔ اور میں اتنی مدت تک ٹھہر نہیں سکتی"

"تم کون ہو؟ یہاں کس لئے آئی ہو"

"تم سے ملنے چلی آئی ہوں"

"تمہیں ڈر نہ لگا"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ "میں بالکل نہیں ڈری" لیکن اُس کا کچھ ایسا پیارا اور صادق چہرہ تھا کہ وہ جھوٹ نہ بول سکی اور فوراً کہا "میں

کوئی شک نہیں میں ڈرتی ضرور تھی لیکن ایک خاص ضرورت کے تحت مجھے یہاں آنا ہی پڑا۔"

"کیا خاص کام ہے؟" اس نے پوچھا "تمہیں یہاں ڈرنے کی ضرورت نہیں"

"اوہ مجھے اس وقت بڑی بھوک لگی ہے" موتی نے کہا، اس لئے کہ وہ مطمئن نہ تھی اور اصل مطلب کہنے کے لئے اسے ڈر سا لگ رہا تھا۔

"جب سے میں کشتی پر سے اتری ہوں میں نے ایک دانہ بھی نہیں کھایا ہے"

"کشتی؟" اس نے دُھرایا۔ "آخر تم ہو کون؟"

"یہ ایک معمولی بات ہے، جو لوگ سمندر کے کنارے آباد ہیں میں انہیں میں سے ایک شخص کی بیٹی ہوں"

"میں نے تم جیسی آجتک کوئی لڑکی نہیں دیکھی" اُس نے آہستہ سے کہا "تمہارے کپڑے لونڈیوں جیسے ہیں۔ لیکن تمہارا چہرہ خوبصورت ہے اور تمہارے ہاتھ نازک ــــ مجھے یقین ہے تم لونڈی نہیں ہو، نہیں جتبک تم مجھے سب کچھ نہ بتادو گی میں تمہیں ہرگز جانے نہ دونگا"

موتی اٹھی لیکن اُس نے بڑے ہی حاکمانہ انداز میں اس کے مونڈھے پکڑ کر اُسے بٹھادیا۔ "ہر شخص میری اطاعت کرتا ہے" اُس نے کہا۔

"مجھے ذرا غسل تو کر لینے دو" اُس نے کہا" اور میں کتنی بھوکی ہوں میں نے تم سے کہہ دیا ہے"

"کیا تم ایک گھنٹے میں واپس آجاؤ گی؟"

اُس نے سر ہلا یا۔

"آخر مجھے یقین کیسے آئے؟"

"تم ذرا سوچو تو ـــــ میں نے تمہیں ابھی یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں"، اور وہ بتائے بغیر میں یہاں سے جا نہیں سکتی۔"

وہ مُسکرایا "تیز طریف ـــــ سُرخ مرچ!" اُس نے کہا، اور دستک دی۔

ایک لمحہ میں ایک بڈھی عورت وہاں حاضر تھی۔

"ان خاتون کو میری ماں کے کمروں میں لیجاؤ جہاں میری ماں رہا کرتی تھیں" اور موتی سے کہا "گذشتہ سال میری ماں نے انتقال کیا۔ جب سے میرا باپ دوسری منزل میں منتقل ہو گیا ہے تم ان کمروں میں جاؤ وہاں تمہیں ہر قسم کا آرام ملے گا۔ وہ بڑی نیک اور پیاری عورت تھی۔ اُس کی مقدس روح ابتک وہاں موجود ہے۔ جب تک تم لوٹو تمہارا انتظار کرتا ہوں"

وہ پھر سے ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور موتی کپڑوں کا بنڈل اُٹھا کر بڈھی کے پیچھے چل دی۔ موتی سوچنے لگی۔

"کیسی عجیب بات ہے مجھے ذرا بھی غیریت محسوس نہیں ہوتی؟"

بڈھی نے دھکیل کر ایک دروازہ کھولا، وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے پھر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور موتی بڑے بڑے ربر بدوں کی چھت کے نیچے کھڑی تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ اور تنہا! دیواروں پر بھدی وضع کا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ لیکن فرنیچر بڑا شاندار تھا۔ اور نگینہ کی طرح چمک

رہا تھا۔ مچھر دان نفیس نیلی ریشمی جالی کا تھا۔"

دیوار سے لگی الماری میں کچھ کتابیں بھی تھیں۔ موتی انہیں دیکھنے وہاں پہنچی ساری قدیم کتابیں تھیں۔۔۔۔۔ قدیم شاعری، قدیم فلسفہ اور قدیم تاریخ لیکن کتنی تعجب کی بات تھی۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ جو خاتون اس کمرے میں رہتی تھی وہ ان کو پڑھ بھی سکتی تھی۔ خود اُس کی اپنی ماں ایسی کتابیں نہیں پڑھ سکتی۔ آخر وہ تھی کون؟ اُسے ایک خیال آیا اور پھر۔۔۔۔ اُس کا بیٹا کس قسم کا ہو گا؟

اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اس سے ملنے کی پھر مشتاق ہے۔ وہ اُسے سمجھ جانا چاہتی ہے، اُسے پڑھ لینا چاہتی ہے۔ اُس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر جانا چاہتی ہے! اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اُس نے اپنے کپڑوں کے بٹن کھولنے شروع کئے، "میں اب اپنے کپڑے پہن لونگی" وہ سوچنے لگی وہ چاہتی تھی کہ اب اُسے اپنی اصلیت دکھائے!

....

"تو اب تم سمجھیں مجھے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے؟" بڑے پُرشوق لہجے میں ضیغم موتی سے کہہ رہا تھا۔

اس وقت دوسرے دن کی دوپہر تھی! موتی تو جیسے گھنٹے گننا بھول ہی گئی تھی۔ گذشتہ شب وہ بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ضیغم نے اُس سے کہا "تمہیں اب اپنے کمرے میں آرام کے لئے جانا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ یہاں کے جاہل لوگ افسانے گڑھیں۔ میں نے بڑھی سے کہدیا ہے

کہ وہ تمہارے پاس سوئے اور تمہاری خدمت کرے" وہ مسکرا کر اٹھا
موّلی نے محسوس کیا جیسے اس کا دل چاہتا ہے "یہ رات کبھی ختم ہی نہ ہو" لیکن وہ اٹھ کھڑی ہوئی، کیسی تیز تیز مسکراتی ہوئی نظریں! اُسے خیال آیا شاید وہ اُن کو کبھی بھلا نہ سکے گی!

موّلی تڑکے تک نہ سو سکی۔

بڈھی نے ایک لمبی داستان شروع کی تھی:۔

"کاش تم دیکھتیں کہ پرانے زمانے میں کیا رنگ تھا۔" وہ جماہی لیتے ہوئے بولی" وہ شان و شوکت اور عظمت و جلال کے دن تھے ہر روز بوڑھے ضیغم کے لوگ ساحلی شہروں پر دھاوا بولتے، اور ریشم ہیرے، جواہرات، کپڑے لاتے، غرض ہم جو ان سے کہتے وہ ہمیں لا دیتے ایک دنیا ضیغم سے ڈرتی تھی۔ ہم بادشاہوں کی طرح راج کرتے تھے۔ آہ! کیا زمانہ تھا ——— !"

"تو کیا اب بھی وہی بات نہیں ہے؟ موّلی نے پوچھا۔

بڈھی نے نفی میں سر ہلایا" نوجوان ضیغم کتابیں پڑھتا ہے۔ بھلا تم ہی بتلاؤ۔ یہ کسی جنگ کے دھنی کا شیوہ ہے؟ تلواریں، ہتیار، ساحلی شہروں پر چھاپہ زنی ——— یہ اس کے کام ہیں، اُس کے فرائض ہیں ——— ——— لیکن یہ سب اس کی ماں کا قصور ہے" اس نے بڑے سرگوشی کے انداز میں کہا۔" اسی نے اُسے پڑھنا سکھایا۔ ورنہ بڈھے ضیغم کو دیکھ لو کیا مجال جو ایک لفظ بھی پڑھ سکے"

"کون تھیں آخر وہ خاتون ؟" مولی نے بہت ہی آہستگی سے پوچھا اور ساتھ ہی اُس نے محسوس کیا اس خاتون کیلئے اُسکے دل میں ہمدردی اور محبت کی کیسی لہریں سی اٹھ رہی ہیں۔

" اس کی ہمیں خبر نہیں" اس نے پھر سے جماہی لیتے ہوئے کہا " ہاں اتنا البتہ معلوم ہے کہ وہ شہری خاتون تھی اور اس غضب کی حسین تھی کہ بڈھا ضیغم اُسے دیکھتے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا" اُس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔

"آہ وہ بھی کیا زمانہ تھا!!........." اُس نے کہنا شروع کیا۔ اور مولی کے سامنے جیسے فلم کی پٹیاں گھومنے لگیں! پرانے بیتے ہوئے دن ـــ اب بھی اسی شان و شوکت جاہ و طمطراق سے اپنی جھلکیاں دکھانے لگے!

اُس نے دیکھا ـــــــ

دن نکلا اور آفتوں، شور و شغب کی صبح ہوئی ـــ ناشتہ کیا ہونے لگا گویا دو پہر کا دستر خوان بچھا ہے۔ لڑائی سے پہلے انسان اتنا تو کھائے کہ آفت جھیل سکے، تلوار چلا سکے، دل کی حسرت نکال سکے

اُس نے دیکھا ـــــــ

سینکڑوں آدمی، سوار اور پیدل، پہاڑ کے ڈھلوان پہلوؤں پر سے بھاگ رہے ہیں۔ آدمیوں کا ایک سیلاب ہے کہ شہر دل پر طوفان نوح کی طرح پھٹ پڑا ہے۔ قزاق شہروں کے بلند دروازوں سے اندر د

شہر پھوٹ پڑے اور ــــ اور وہ ــــ وہ!

اُس نے دیکھا

وہ قہقہے لگاتے، نشہ میں مست، جھومتے جھامتے، لوٹ سے لدے پھندے چلے آتے ہیں ــــ چلے آتے ہیں، کیسے اطمینان سے آ رہے ہیں ــــ اور گئے کس انداز سے تھے!

"کیا نوجوان ضیغم بھی اُن کے ہمراہ کبھی گیا ہے؟" موسیٰ نے بڈھی کا تسلسل توڑا۔

"ایک بار" بڈھی نے بڑے ہی رنجیدہ لہجے میں جواب دیا "صرف ایک بار۔ اس کی ماں اس بری طرح روئی تھی کہ ضیغم نے پھر اُسے جانے نہ دیا"

"کیا اب وہ کبھی نہیں جاتا؟"

"اب؟" بڈھی نے نفرت سے منہ بناتے ہوئے کہا "ان دس سالوں میں کہیں ایک حملہ بھی ہوا ہے؟ بڈھے ضیغم نے افیون کھانی شروع کی ہے۔ اس کے کلیجے میں ناسور پڑ گیا ہے، درد کی تاب نہیں، افیون اسے بیخبر کر دیتی ہے، وہ ہر وقت پڑا سوتا ہے۔ آجکل تو صرف ٹیکسوں پر گزر ہے۔ جو مجسٹریٹوں کی طرح لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے، اب ہم وہ قزاق کہاں رہے، وہ صادق اور بہادر قزاق جو صرف امیروں سے لیتے تھے اور غریبوں کو چھوڑ دیتے تھے ــــ ہائے کیا زمانہ آ گیا، اس ٹیکس کی چکّی میں تو ہر کس و ناکس پسا جاتا ہے، نا بابا! یہ زندگی کے ڈھنگ

نہیں، یہ لچھن برُے ہیں، رنگ لائے بغیر نہ رہینگے...... اور
مولی بڈھی کی باتوں کو سُنتے سُنتے سوگئی۔ اُسے جیسے لوری دیگئی ہو۔
اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اُس کمرے میں قید ہے۔ لیکن
اس پر بیڑی ہتکڑی کی پابندی نہیں۔ وہ جانے کے لئے آزاد تھی۔ لیکن
جب وہ دروازے کے پاس پہنچی تو وہ وہاں سے ہل نہ سکی۔ جیسے زمین
سے سِل گئی ہو!
مارے خوف کے اس کی آنکھ کھُل گئی۔ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی
اُس نے دیکھا دن خاصا چڑھ آیا ہے۔ اُس نے ریشمی بستر پر ہاتھ پھیرا
یہ بستر بالکل اسکے اپنے بستر کی طرح نرم گرم تھا۔ دروازہ کھلا اور بڈھی اندر
داخل ہوئی، ہاتھ میں گرم پانی کا جگ تھا۔
"نوجوان مالک کہتے ہیں کیا آپ اُن کے ساتھ ناشتہ ——"
بڈھی نے کہنا شروع کیا۔
مولی فوراً بستر سے اُٹھی —— ساری چیزیں کیسی وقت پر مہیا
کی گئی تھیں —— آخر!
انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر گفتگو کی۔ وہ ایک دوسرے کو
اتھاہ گہرائیوں تک معلوم کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایک دوسرے میں ڈوب
جانا چاہتے تھے کیسے کیسے لمبے لمبے سوالات کئے؟ اور اُن کو جلد جلد
نگلتے ہوئے کیسے مختصر سے جوابوں میں ایک دوسرے کو تسلی دیتے رہے
—— اس دوران میں ایک نے دوسرے پر سے مطلق نظر نہ ہٹائی۔

"میں نے آجتک تم جیسی کوئی لڑکی نہیں دیکھی" اس نے کہا
انہوں نے باہم شائد ساری باتیں ختم کر ڈالیں۔ ناشتے پر باتیں
ہوئیں۔ دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے باتیں ہوئیں۔ دوپہر کے کھانے
پر تو انھوں نے کمال کر دیا باتیں گھنٹے میں انھوں نے کھانا ختم کیا
باتیں اس قدر تھیں کہ وہ نوالے اٹھانا بھی بھول جاتے —— جب سورج
ڈوبا تو انہوں نے جھٹ پٹ کھانا کھایا اور کتب خانے میں چلے گئے
اور پھر وہی باتیں —— صرف باتیں کرتے رہے۔ مولی نے اُسے بتایا
کہ وہ کس طرح معبدوں سے نفرت کرتی ہے، اور یہ کہ بیکاری سے
وہ کتنی بیزار ہے، اور اُسے کچھ کارنمایاں کرنے کا کتنا شوق ہے
کتنی آرزومند ہے —— مگر وہ آخر کرے کیا؟ یہ بھی ایک سوال تھا!
"میں نے بھی اکثر یہی سوچا ہے —— اُس نے آنکھیں جھپکا کر کہا
میں بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں" یہ کہتے ہوئے شائد اُس کا دل دھڑک اٹھا
اُس کی آنکھیں ہیرے کی کنیوں کی طرح چمک اٹھیں۔ مولی بھی تو یہی چاہتی
ہے۔ دونوں کے دماغ میں ایک خیال، ایک سودا ہے۔ کیا وہ ایک
ہی لڑی کے دو موتی ہیں —— دو موتی —— دو آبدار درشہوار!!
"میں اِس قلعے میں رہتے رہتے بیزار ہو گیا ہوں۔ میرا باپ نیم خفتہ
پڑا رہتا ہے —— وہ نواب بڈھا ہے —— محض بڈھا!"
رات زیادہ بہہ گئی تو وہ علیحدہ ہوئے —— دوسرا دن بھی ویسا
ہی گزرا جیسا پہلا۔ مولی بھول بھی چکی تھی کہ وہ قلعہ میں ہے —— اور یہ کہ

وہ ضیغم ہے۔

دوسری رات اس نے سوچا ـــــ اور جیسے وہ سونے سے چونک پڑی۔ "اُسے چلا جانا چاہیئے ـــــ دو دن! اُف دو دن گزر گئے، اُسکی ماں نے اُس کے باپ کو تار دیا ہوگا ـــــ" اُس نے تہیّہ کرلیا "وہ صبح ہی چلی جائے گی۔"

لیکن اس جگہ کو چھوڑنا بھی بڑا مشکل تھا۔

ضیغم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اُس سے کیسی التجائیں کی تھیں کتنی منتیں کی تھیں کہ وہ اب جانے کا خیال نہ کرے۔ اُس نے پہلے تو اس پر بڑے ہی مغرورانہ انداز میں حکومت کی تھی، وہ سب پر حکم چلاتا تھا، لیکن اب ـــــ اب تو وہ ایک تابعدار کی طرح التجائیں کر رہا تھا۔

"تو تاؤں کا واسطہ نہ جاؤ" اس نے ملتجیانہ اُس سے کہا تھا تمہیں میری ماں کی قسم نہ جاؤ، تمہیں دیکھو ابھی ہم دونوں نے کتنی باتیں کی ہیں، ابھی تو دفتر پڑے ہیں ـــــ اور ـــــ" اور جیسے وہ موزوں بہانہ ڈھونڈ رہا ہو "اور ـــــ ہاں میں نے تمہیں پہاڑ کی سیر بھی تو نہیں کرائی ـــــ دیکھنے کی چیز ہے یہ پہاڑ گو باہر سے تو سیدھا سادا پہاڑ ہے لیکن اس میں بڑے بڑے کمال چھپے ہوئے ہیں" اس نے چاہا اور کچھ ایسی باتیں یاد آجائیں تو اچھا ہو، لیکن بُرا ہو حافظہ کا۔ مولی کی صورت دیکھتے ہی وہ بہت سی سوچی ہوئی باتیں فراموش کر جاتا۔

"میرا جانا بہت ضروری ہے" مولی نے کہا "میرا باپ میرے لئے

شہر کی خاک چھان ڈالیگا۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کیسی درد بھری اور مشتاق نظریں تھیں!

وہ اب پھاٹک کے پاس پہنچ چکے تھے ضیغم کا خاص گھوڑا موتی کو لینے کے لئے کھڑا تھا اور پاس ہی ایک بڑے سر والا رہنما بھی یہ رہنما صرف پہاڑ کے دامن تک جا سکتا تھا۔ اور وہاں ضیغم نے اُس کے لئے ڈولی تیار رکھی تھی ضیغم منہ پھلائے کھڑا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا جانا اس پر بے حد شاق گزر رہا ہے۔

یکایک موتی کو اپنا خواب یاد آیا۔

لیکن اب تو وہ جانے کے لئے آزاد تھی —— مگر —— مگر، نہ جانے —— جانے کیلئے اُس کا دل کیوں پیچھے ہٹ رہا تھا؟

پہاڑیوں کا تمام دشوار گذار راستہ —— میدان کی ساری مسافت —— وہ اپنی اس حیران کن مہم کے متعلق سوچتی رہی، "ابھی دو روز ہوئے، اُس نے اپنی ماں اور آرچیڈ کو کشتی پر چھوڑا تھا لیکن اِن (۴۸) گھنٹوں میں —— اس کی تو دنیا بدل چکی تھی!"

اُس نے ضیغم جیسی ہستی کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی —— اُسکے خلیرے، پھپھیرے، ممیرے بھائی، شنگھائی کے نوجوان مضبوط اور توانا ضیغم کے سامنے جیسے مریل ٹٹو سے تھے —— ضیغم کے خیال سے موتی کو دل میں ایک کسک سی محسوس ہوئی، آہ! کتنی لذت ہے اس درد میں

جیسے اُسے مزہ آرہا تھا۔ اور بیساختہ اُس کے مُنہ سے نکل پڑا "کتنا پیارا انسان ہے!!" اور سرخ سرخ ڈورے اُس کی آنکھوں میں تیرنے لگے!!

عورتیں ___ خصُوصاً نوجوان لڑکیاں "ہیرو پرست" ہوتی ہیں!!

جب وہ اپنے گھر کے پھاٹک میں داخل ہوئی تو اُسے دفعتہً اپنا پستول یاد آیا۔

وہ ابتک وہاں میز پر پڑا ہوا تھا۔

اسی کمرے میں جہاں وہ دو راتیں سو چکی تھی۔

یکایک اُسے ہنسی آگئی۔

وہ اُسے یہ بتانا ہی بھول گئی تھی کہ آخر وہ وہاں آئی کیوں تھی!!

. . . .

"چھوٹی بیگم! کیا یہ آپ نہیں ہیں؟" بوڑھا دربان آنکھیں ملتے ہوئے افیون کے نشہ کو حتی المقدور دور کرتے ہوئے چلایا۔

"دیکھتے نہیں ہو تم؟" "میں ہی تو ہوں!" موتی نے بیحد سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اگر تم تو بیچ سمندر کشتی پر ہوں گی" وہ پھر چلایا۔

موتی کو ہنسی آگئی "ہاں ٹھیک ہے، لیکن اب میں آگئی ہوں۔ مجھے بتاؤ آبا کہاں ہیں؟"

"وہ بڑے پریشان ہیں" دربان تقریباً روتے ہوئے بولا جیسے آنسو اس کی مچی مچی آنکھوں میں بھر لینے لگے "اپنے کتبخانے میں بیٹھے ہیں اپنی

انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کیا بات ہے ؟"

"اُف! معلوم ہوتا ہے ابّا کو معلوم ہو گیا کہ میں........"

وہ بھاگی

اندرونی صحن طے کر کے اُس نے کتب خانے کا دروازہ کھولا۔ اُس کا باپ میز کے پاس بیٹھا ایک ڈھیر کا ڈھیر سکّوں کا گن رہا تھا کھڑکی سے دھوپ اندر آ رہی تھی اور سخت دھوپ میں اُس کا چہرہ چربی کی طرح چمک رہا تھا۔

"اوہ! ما ــــ لی!" وہ چیخ اُٹھا "تم ؟ ــــ تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"نہیں! اُس نے نہیں سُنا کہ وہ چلی گئی ہے ــــ غائب ہو گئی ہے ــــ اوہ! مولی سوچنے لگی "یہ اب دوسری مصیبت ہے"

"کشتی پر" اُس نے جواب دیا اور اندر آ ئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اُس نے کہا "میں شنگھائی نہیں گئی"

"پھر تم تھیں کہاں ؟؟"

اب اُس نے سوچا ــــ پہلی مرتبہ سوچا کہ "اُس نے کیا کیا" اور وہ کتنا ناممکن کام تھا! بالکلیہ ناقابلِ یقین۔ کیا وہ یقین کر لیگا کہ وہ ایک اجنبی، غیر شخص کے گھر گئی اور ــــ اور وہ بھی ایک نوجوان مرد کے ــــ اور اگر وہ کہے کہ وہ ضیتیم کی پہاڑی پر ہو آئی ہے تو ــــ تو وہ اُسے ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ نہ سمجھے گا"

"پھر تم تھیں کہاں" ؟؟؟ اب کے بڑی سختی اور بڑے جوش سے وہ چلایا۔

"ابا! ۔۔۔ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی" اُس نے دل کڑا کر کے کہا وہ اُسے گھورنے لگا۔

"جیسے مجھے کافی تکلیف نہیں ہے" اُس نے بڑے کرب سے کہا۔۔۔ "جیا نی! تمہاری ماں! ۔۔۔ ایک دم وہ برس پڑا۔۔۔ "اب بتاؤ میں کیسے کسی معزز لڑکے سے تمہاری نسبت کر سکتا ہوں؟ تمہاری ماں نے مجھے جتایا تھا کہ تمہاری شادی کا بندوبست کروں۔ جیسے میں اس قزاق ضیغم کے لئے ساری پونجی نہیں سمیٹ رہا تھا، اور یہ ۔۔۔ اب ایک نیا قزاق! لیکن ۔۔۔ لیکن اب تمہیں کون کتنی قیمت پر لیگا؟ کیسے میں ایک شخص کو اتنی رقم بھر سکتا ہوں کہ تمہیں وہ اپنی بیوی بنا لے؟ ان دو راتوں سے تم تھیں کہاں ۔۔۔ کہاں تھیں تم؟" وہ تانبے کی طرح تپ رہا تھا۔

"تمہیں میرے لئے شوہر پسند کرنے کی ضرورت نہیں" وہ بولی

"شہریہ نہ ہو" اُس نے کسی قدر نرمی سے جواب دیا "یہ میرا فرض ہے۔ اِسکے علاوہ اگر میں اجازت نہ دوں تو تم کیسے شادی کر سکتی ہو؟" وہ پھر غصے میں آرہا تھا

جوار بھاٹا!!

"لیکن میں شادی کروں گی" وہ گھبرا کر بولی

"ایسی نئی محبت، کی شادی؟" پھر وہ غرّایا "نہیں ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ناممکن ہے ۔۔۔ تم نئی وضع کی شادی نہیں کر سکتیں" یکایک وہ دھیما پڑا "میں خود تمہارے لئے ایک بہت اچھا شوہر ڈھونڈوں گا ۔۔۔"

اور پھر ــــ اسنے اپنی خشم آلود نگاہیں اسکے چہرے پر گاڑ دیں لیکن ــــ
میں نے اپنا شوہر پسند کر لیا ہے" مولی نے بہت ہی آہستگی سے کہا
اور اسی لمحے اس نے پسند کر لیا
اس کا ارادہ ہمیشہ آہنی ہوا کرتا تھا
وہ بڑی مستقل مزاج تھی
بات پر اڑنا اُسے خوب آتا تھا!!
قبل اسکے کہ اُس کا باپ کچھ کہے وہ کمرے سے بھاگی چشم زدن
میں صحن طے کر کے وہ پھاٹک پر تھی۔
" وہ ڈدلی کہاں ہے؟ وہ چلائی
" وہ اس طرف چلی گئی" دربان نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا
" میں نے ایسے بداخلاق شخص کبھی نہیں دیکھے، ڈ کو معلوم ہوتے تھے
میں نے لاکھ پوچھا کہ بھئی کہاں سے آئے ہو، کہاں جاؤ گے مگر وہ
بھلا سنتے کس کی ہیں، اور..........
لیکن وہاں مولی تھی کہاں؟ وہ گلی میں اڑی ہوئی جا رہی تھی۔
وہ پھر اس کے پاس جا رہی تھی۔
جب وہ اُس کے پاس پہنچی رات بھیگ چکی تھی۔
قلعہ کے پھاٹک اس طرح کھلے ہوئے تھے جیسے وہ اس کے منتظر
ہوں مشعلیں روشن تھیں اور ہوا میں کبابوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
مولی حد سے زیادہ بھوکی تھی ــــ بھوکی بھی اور تھک کر چور بھی

وہ سیدھی اس کمرے کی طرف دوڑی جہاں اُسے یقین تھا کہ وہ بیٹھا ہوگا
"تم آگئیں" ضیغم مسکرا کر اٹھا "میں نے اُن سے کہہ دیا تھا تمہارے بغیر وہ شہر نہ چھوڑیں"
"تم نے —— اُن سے —— ایسا کہا تھا" نہ جانے کیوں اُس کا دل لرز کر رہ گیا۔
"وہ انتظار کرتے —— یہاں تک کہ رات بھیگ جاتی" وہ مسکرایا اگر تم اپنی خوشی سے نہ آتیں تو —— بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں یہاں لاتے"
"میں خوش ہوں کہ میں خود یہاں آگئی" وہ بولی
"کسی طرح بھی ہو تم میرے پاس آہی جاتیں" اُس نے مولی کو سر سے پیر تک گھورتے ہوئے کہا "تمہارے جانے سے قبل ہی میں نے یہ منصوبہ باندھ لیا تھا"
اُس نے محسوس کیا وہ لوہے کا آدمی ہے!

... ...

دوسرے دن مولی نے دیکھا یہاں تو بڑے بڑے اہتمام ہو رہے ہیں۔
وہ خوب گہری نیند سوئی تھی۔ صبح خادمہ نے اُسے بیدار کیا۔
"آپ کے سرکار آپ کو یاد فرما رہے ہیں"
"میرے سرکار؟" اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ ایک نامعلوم جذبہ سے!
نوکر اس کی بڑی خاطر تواضع کر رہے تھے۔ وہ بھی بڑے تپاک سے اُٹھی

نہایا، پوشاک پہنی۔

تمہیں بڑے ہال میں انتظار کرنا چاہئیے کہ ....، بات ادھوری چھوڑ کر بڈھی چلدی۔

ایک نوکر ناشتہ لے آیا اور یہاں اُس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے، خوب ڈٹ کے اس نے ناشتہ کیا۔

اور وہ اندر آیا!۔

بیحد پُر تکلف لباس پہنے! نیلے زربفتی تافتے کا لانبا لباس تھا۔ بڑے دلربایانہ انداز سے اُسے اُس نے پہنا تھا! ایسے کپڑوں میں مولی نے اُسے کبھی کاہے کو دیکھا تھا۔ یکایک ایک لمحے کے لئے وہ ڈر گئی، نامعلوم خوف سے اُس کے دل کے گوشہ گوشہ میں لرزشیں پیدا ہوگئیں اُس نے سوچا

وہ کیا کر رہی ہے ــــ وہ کیا کرنے والی ہے؟ مولی جو ــــ گریجوئٹ امریکہ کی تربیت یافتہ! ایک قزاق کا بیٹا ــــ ایک قرون وسطیٰ کا آدمی!"

"آج جب تک ہماری منگنی نہ ہو جائے ...." کس رعب داب سے کہہ رہا تھا جیسے وہ اس کا حاکم ہے، جیسے وہ اُس کا شوہر ہے نیم خدا!!

"میں ــــ میں نہیں ــــ میرا تم سے شادی کرنے کا تو کوئی خیال نہیں، وہ بمشکل بولی" میں گھر جاؤں گی ــــ مجھے گھر جانا چاہیئے"

وہ چلائی اور اُسے دیکھنے لگی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا" اُس نے بڑے ہی استقلال کے ساتھ کہا "یہ میں ہوں ــــ میں ــــ شبنم!! میں نے تمہیں پسند کیا ہے، کل تم اپنی خواہش سے یہاں آئی تھیں، مجھے معلوم ہے عورتیں کتنے بودے خیال کی ہوتی ہیں۔ کل تو تم خوش تھیں، آج بھی بخوشی آئیں اور اب ــــ اب کیا ہوا تمہیں؟" وہ بڑی بیباکی سے بول رہا تھا، اُس نے دستک دی، ایک بہت پرانا شاگرد پیشہ داخل ہوا۔ "آپا سے کہدو ہم دونوں ابھی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ــــ اور ہاں، دوپہر میں منگنی کی دعوت تیار رہے" یہ کہتے کہتے وہ مولی کے سامنے خم ہو گیا، اور اسکی آنکھوں میں گویا جھانکتے ہوئے بڑے پیار سے بولا "آج ہماری منگنی ہے۔ کل ہم شادی شدہ ہو جائیں گے"

"نہیں" مولی نے آہستہ سے کہا جیسے خواب میں بول رہی ہو "نہیں یہ سب کچھ ــــ یہ سب کچھ بڑی تیزی سے ہو رہا ہے"

ایکدم سے وہ لرز گئی!! اس کا گھر اس کے دماغ میں گھس پڑا!!

اس کا گھر! وہ چوکور لال لال اینٹوں والا نرش، وہ اونچی دیواریں وہ شاندار چھتیں! آرچڈا اس کا باپ، اس کی ماں، کالج، امریکی لڑکیاں میری لین (MARRY LANE) "میری کو کبھی یقین نہ آئیگا، بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے؟ کالج کی تعلیم یافتہ، بی۔ اے آنرز لڑکی جاہل قتراق کنندہ نازراش سے شادی کرے؟ ایسا کہیں ہو سکتا ہے؟

ایسا کہیں ہو نہیں سکتا ــــــ سوائے چین کے"

"تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے" ضیغم نے شاگرد پیشہ سے کہا، وہ خم ہوا اور چلا گیا۔

"میرے ساتھ چلو" اُف کیسا سخت لہجہ تھا!

مولی نے دیکھا وہ کسقدر ترشی سے بول رہا ہے۔ اور اس نے ایک لفظ کہے بغیر اس کا حکم مان لیا۔ جیسے اس کی سمجھ میں آتا ہی نہ تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔

چند لمحوں کے بعد وہ اس کے بازو ایک کمزور بڈھے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس بڑھاپے میں بھی وہ بڈھا بڑا کرارہ تھا۔ بھیڑ کی کھال کی پوستین اور جانگیہ پہنے ایک عمدہ دستکاری کی کرسی پر جس پر کارچوبی کشن لگے ہوئے تھے وہ بیٹھا تھا۔ خوبصورت غمگین ہونٹوں پر سپید بھوری مونچھیں پڑی ہوئی تھیں اور منہ پر سُرخ آنکھیں بڑی دہک رہی تھیں۔

یہ بڈھا ضیغم تھا!!

"ابا کی تعظیم کے لئے خم ہو جاؤ"!

اور مولی جھک گئی۔

... ...

اس طرح اُس کی شادی ہو گئی ــــ اور اس طرح اس کی منگنی کے دو روز ختم ہو گئے۔ اس دور کے عرصے میں ایک ہنگامہ بپا رہا مارے شور و غل کے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، غضب کی دعوت ہوئی

اور خوب مشعلیں چمکیں! بڈھی آپا موتی کے سر پر سہرا باندھتی جاتی تھی لڑیاں سجاتی جاتی تھی اور مسکرا مسکرا اٹھتی تھی۔

"وادی کے لوگ جانے کیا سمجھ رہے ہونگے!" بڈھی بڑی تیزی سے بول رہی تھی" لوگ آکر دیکھیں گے اور یہ بلوہ شور و غل سن کر بستروں میں کانپ کانپ اٹھینگے سارے قزاق ضیغم کی خوشامدیں کر رہے ہیں — اُنہیں کسی قصبہ پر چھاپہ مارنے کی اجازت دیجائے — کس قدر کھالیا ہے ان لوگوں نے — اُفوہ! اب تو وہ نیم پاگل ہوگئے ہیں — ہاں بی بی میں جھوٹ تھوڑا ہی کہتی ہوں — میں نے زمانہ دیکھا ہے اُن میں رہی بسی ہوں، — اور......."

لیکن موتی سوچ رہی تھی

"وادی کے لوگ"!

موتی کا باپ وادی میں رہتا تھا، اور یہاں ضیغم کے پاس وہ وکالت کرنے آئی تھی، اپنے باپ کی اور اپنے شہر والوں کی — اُس نے جنگ کے دیوتاؤں اور قزاقوں کے بارے میں کچھ سوچا تھا — کتنی تدبیریں اس نے اپنے ذہن میں محفوظ کر دی تھیں — اور اب — اِن کی بجائے —

"تم کتنی پیاری ہو بی بی، کیسی چاند کا ٹکڑا" بڈھی بولی" اوہ! آج ہم کتنے خوش ہیں، کیسی خوشی ہو رہی ہے؟ وہ کیسے چلی گئی" برسوں سے ہمیں اسکے بیاہ کا ارمان تھا، مگر وہ اتنا خودرائے ہے بی بی، توبہ بھلی قسم لے لو جو کسی کو

بھائیں کرے ــــ ہر بات اپنی پسند سے کرتا ہے، کئی سو عورتیں اسکے
لیے دیکھی گئیں، ان میں سے آدھی کو تو پکڑ لائے تھے، اس نے جب
اُن کا خوب جی بھر کر مذاق اڑایا تب چھوڑا، اُس کے سامنے تو گڑیا
تھیں، گڑیاں لیکن جب تمہارے پیچھے اُس نے آدمیوں کو بھیجا
وہ مسکرانے لگی، اس کی آنکھیں چمکنے لگیں" بی بی کچھ نہ پوچھو ہم سب
مارے خوشی کے پھول گئے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کے منہ سے
کسی عورت کی حفاظت میں ایسے تاکیدی الفاظ نہیں سُنے تھے، برتے
پانی، جلتی دھوپ اور کڑاکے کی سردیوں میں عورتیں واپس گئی ہیں
اور اس نے پلٹ کے پوچھا تک نہیں کہ جیتی ہیں کہ مر گئیں؟"
موتی سوچنے لگی
تو اس نے اُسے خود ہو کے بلوایا ہے ــــ اگر وہ نہ آتی تو بھی وہ
اُسے بلواتا ــــ اس کے گھر ڈاکہ پڑتا اور وہ زر زیور کی بجائے گھر کی
رونق چرالی جاتی ــــ موتی گھر کی رونق ہی تو تھی، اکلوتی بچی ــــ
وہ بچی جو امریکہ ہو آئی تھی ــــ اس کا باپ کس قدر شوق سے اس
سے ہوائی جہازوں کی کہانیاں سنا کرتا تھا ــــ اسے حیرت سے
اُس کی گول گول آنکھیں چمک اٹھتیں اور بڑی بڑی نظر آنے لگتیں۔
وہ اکثر کہا کرتا تھا ــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے تا ــــ لی؟ تم کہتی ہو
ہوا میں پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں؟
بی بی ــــ ان جیسے جوان شیر دل کے لئے ایک جوان شیرنی ہی کی

ضرورت تھی ——"

بڈھی برابر اپنا پوپلا منہ چلا رہی تھی۔ "اور بڑے دیوتا کی سرخ آنکھوں کی قسم تم ہو بالکل شیرنی —— اب دیکھنا وہ کیسے پے در پے حملے کریگا اور شمالی پہاڑی پر نیلے بھیڑیے نے جو کچھ ہضم کر لیا ہے اُس کے حلق میں انگلیاں ڈال کے نکال لیگا۔ دراصل بی بی عورت کے بغیر مرد کی دنیا میں اندھیرا رہتا ہے، عورت گھر کی روشنی ہے"۔

"یہ نیلا بھیڑیا کون؟" موکی نے پوچھا، میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا"

"تم نے نام بھی نہیں سنا"؟ بڈھی آنکھیں پھاڑ کے بولی "اے بی بی سرکاری بھی کہتا ہے کہ نیلا بھیڑیا دراصل کچھ ہے ہی نہیں —— کوئی چیز ہی نہیں، وہ دراصل ایک قزاق کی بیوی ہے، بڑی عجب عورت ہے۔ لیکن ہر کوئی کہتا ہے وہ دراصل کچھ ہے ہی نہیں"۔ بڈھی یہ کہتی جاتی تھی اور اُسے سنوارتی جاتی تھی "ہاں —— " اس نے موکی کے سراپا پر گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا "تو —— اب تم تیار ہو —— بالکل تیار"

لیکن یہ اب سے دو دن پہلے کا قصہ ہے۔

اب تو موکی بڈھی کی بکواس بھول چکی تھی۔

اور اب پھر اُسے ایک قصہ یاد آرہا تھا۔

جب بوڑھے ضیغم کے سامنے سب رسمیں پوری ہو چکیں تو وہ اور ضیغم باہر گئے، باہر ایک عظیم الشان فوج پرا باندھے کھڑی تھی، اُسے سخت حیرت ہوئی کہ ان جاہل قزاقوں میں بھی یہ تنظیم ہے؟

اور دونوں نے اس بھرے مجمع کے سامنے ایک دوسرے کی جھوٹی شراب پی

اور پھر دونوں نے خاندانی دیوتا کے آگے سجدہ کیا!

اس وقت جبکہ وہ ابھی سجدے میں تھی اس نے ایک آواز سُنی، جو اُس کے نہاں خانۂ دل میں گونج رہی تھی۔ "موتی جو" ایک سال قبل اُس کے امریکی کالج کا صدر اُس سے کہہ رہا تھا "ایک عجیب و غریب غیر معمولی مسرت کے ساتھ تمھیں بی۔ اے (بیچلر آف آرٹس) کی ڈگری عطا کرتا ہوں میں جانتا ہوں کہ ایک زمانہ ایسا آرہا ہے جبکہ تمھارے ملک میں تمھیں قوم کی خدمت کا بے نظیر موقع ملیگا۔ وہاں موجودہ تہذیب وتمدن اور سائنس کی روشنی کے پھیلانے کی سخت ضرورت ہے۔ اور ہمارے زمانے میں صرف چند ہی ایسی خوش نصیب عورتیں ہونگی جنھیں خدمت قوم کے ایسے زریں موقعے ملتے ہیں۔

اور آج!

دس ہزار میل دور ـــــ پہاڑ کی چوٹی پر ایک غیر مہذب قزاقوں کی ایک جماعت کے سامنے وہ مٹی کے پرانے خداؤں کے سامنے سجدہ میں پڑی ہوئی تھی۔ اُس کے سارے امریکی خواب ہوا ہو چکے تھے ساری تدابیر ختم ہو چکی تھیں۔ اُس نے اُس کی جھوٹی شراب پی لی تھی اور اُس کے برتن میں جھوٹے چاول کھائے تھے

حنیفہ کو اپنا لیا تھا!

متواتر چار دن تک شادی کا جلسہ منایا جاتا رہا ــــ چار خوبصورت دراز اور درخشاں دن قلعہ پر کامل امن و شانتی طاری تھی، وہ خوشگوار دھوپ میں لپٹا ہوا نیم آلود وادیوں پر بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ آدمیوں کی ٹولیاں آتی رہیں اور دعوت اڑا کر چلی گئیں۔ موٹی نے کبھی پوچھا تک نہیں کہ وہ کہاں سے آئے تھے اور کہاں گئے۔ کیونکہ ایک عجیب عالم بے خبری میں اس کے یہ دن گزر رہے تھے۔ اس کو کسی سے کچھ سروکار نہ تھا۔ ہر کام گویا اس نے اٹھا کر طاق نسیان پر رکھ دیا تھا اور اس کے لئے ایک کام رہ گیا تھا ــــ وہ یہ کہ دن رات ضیغم کے ساتھ تنہا رہنا!

گھر کے پیچھے ــــ وادی میں ــــ اس کے ماں باپ تھے جن کو یاد کرنا اس کا فرض تھا۔

لیکن یہ آدمی ــــ ضیغم ــــ یہ شخص جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی ایک معجزہ تھا۔ ایک جادو تھا ــــ یا ایک خواب! ــــ زمانہ وسطیٰ کا نواب اور پھر اسی کا ہم عمر ــــ نکڑ قسم کا نوجوان ۔ بڑا البیلا اور بانکا ــــ

موٹی سوچتی ــــ اگر میری لین (MARYLANE) دیکھ لے اُسے تو یقین ہے مر جائیگی، مرد انگی کا دیوتا سمجھ کر موٹی سے چرا لے اور امریکہ بھاگ جائے۔

وہ اتنا پرانا تھا جتنا کانفوشیس (CONFUCIUS)

اور اتنا بنا تھا جتنا مسولینی (MASSOLINI) ۔ اُس میں آمریت کافی مقدار میں تھا ۔ کم از کم اس کی فطرت کا تین چوتھائی حصّہ تو اسی جذبہ سے معمور تھا ۔

مولی نے اس جذبہ پر غور کیا تو اس کے دل میں محبت کا ایک پھر دھارا جوش مار نے لگا ۔ اور ساتھ ہی اُس نے سوچا ایسا بھی کیا باغی پن ! اور جعفر کے متعلق خود اُس کے دل میں ایک باغیانہ جذبہ کروٹیں لینے لگا ۔

لیکن وہ پھر سوچنے لگی ۔

"میں اُسے بدل دونگی ۔ اُس کا ذاتی اعتماد اور شاہی اقتدار تو اور پھر ان دونوں کو زمانے کے موافق ڈھالوں گی ۔"

لیکن سب سے پہلے مولی مسلسل سوچ رہی تھی " مجھے اس کے خیالات سے اچھی طرح واقف ہونا ضروری ہے ۔ آخر وہ کبھی اپنے دل کی حالت بیان کرے تو معلوم ہو کہ اُس کا منشا کیا ہے مجھے اُسے ایسے کئی موقعے دینے پڑینگے ۔ کتنی دفعہ اُس نے کہا تھا : اپنے علاقے کو وسعت دینا چاہتا ہے ۔ اس علاقے کو جسکے لوگ اُسے ٹیکس ادا کرتے ہیں ۔

چنانچہ اُسی نے کہا تھا " میں ایک بڑی فوج بنانے والا ہوں ــــ نوجوانوں کی فوج جو ہر طرح لیس ہو جتنی چیزیں کہ میں نے سنی ہیں ــــ ہوائی جہاز توپیں ، بندوقیں ! "

. . . .

"مجھے جنگ سے نفرت ہے" موآلی نے غصے سے چیخ کر کہا "میں انسانیت کے پرخچے اڑتے دیکھنا کبھی پسند نہیں کرتی۔"

"تو پھر تم آخر چاہتی کیا ہو؟" ضیغم نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"تمھیں اپنی رعایا کے لئے بھی کچھ کرنا چاہیئے، مثلاً مدرسے بنواؤ۔ ہسپتال بنواؤ۔ چھاپے خانے کھلواؤ"

"مدرسے! ہسپتال!! چھاپے خانے!!!" اس نے کہا۔ "محض رعایا کے لئے ــــ کیا یہ فضول خرچی نہیں ہوگی؟"

اور موآلی نے اسے امریکی مدرسوں کی ایک لمبی چوڑی تفصیل سنانی شروع کی۔

اتنے میں باہر سے کسی نے اُسے بلایا۔ اور جب وہ واپس آیا تو وہ ایک وحشی تھا۔

"مجھے نیلے بھیڑیئے سے لڑنا چاہیئے" وہ چیخا "اُس نے پہاڑ کے شمالی حصے میں ایک اور قصبہ اڑا لیا ہے۔ میں نے امن کے لئے کوشش کی تھی ــــ مگر اُس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میں لڑونگا اور اپنی تلوار سے اُس کا سر جدا کر دونگا"

وہ اس کے کمرے میں تھی۔

ایک چوکور بڑا کمرہ جس میں ہر طرف ضیغم کی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ اُس کا بڑا بستر، اُس کی نقشین کرسی۔ پرانا کافوری صندوق! بڑے انہماک کے ساتھ وہ صندوق میں کچھ ڈھونڈھ رہا تھا۔ اُس نے بہت

چیزیں صندوق سے نکال نکال کر اطراف پھیلادی تھیں۔ آخسر صندوق کی تہہ سے اُس نے ایک بڑی سی تلوار نکالی۔ اور اُسے میان سے جُدا کیا۔

آج وہ اتنا بدلا ہوا تھا — اُس کا چہرہ اتنا خوفناک تھا — مولی نے محسوس کیا جیسے اس سے پہلے اُس نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا

ابھی کچھ دیر — پہلے تم اپنی رعایا کے لئے مدرسوں کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہے تھے" — آہستہ سے مولی نے کہا۔

"مجھے انہیں مدرسوں کی کتابوں سے زیادہ پڑھانا پڑیگا"

بڑی درشتی سے وہ چلدیا

" انہیں لڑائی کے گُر سکھانے پڑینگے" یا

اور وہ چلا گیا۔

اُس نے وزنی دروازہ کو اپنے پیچھے زور سے بند کیا۔

اور اندر کمرے میں مولی مجسمہ بنی بیٹھی رہی — اس کی خوفناک نگاہوں — سخت الفاظ سے سہمی ہوئی!! — پھر سے سوچ کا اس پر ایک دورہ پڑا۔

آخر یہ آدمی تھا کیا؟ — کیا تھا آخر یہ آدمی؟..... کوئی — ساحر یا دیوتا!!! جس سے اُس نے اتنی دیوانگی اور ایسی عجلت سے شادی کی تھی؟

قلعہ شور و غل سے پاگل خانہ معلوم ہو رہا تھا ـــــ اور ـــــ جنگلی وحشی، بدخو قزاقوں سے پٹا پڑا تھا ـــــ ہواؤں میں لوہاروں کے سنداںوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور اُن میں ملی جلی گھوڑوں کی ہنہناہٹ ـــــ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہزاروں وحشی بے تحاشا اُجھو بجا رہے ہیں ـــــ دور دور تک ذہن دہل رہی تھی "خبردار جو اپنے کمرے سے قدم باہر نکالا" ضیغم نے اسے گویا حکم دیا۔

اور نہ جانے کیوں ایک حقیقی مشرقی عورت کی طرح مولی نے پوری اطاعت شعاری کا ثبوت دیا۔

کمرے کی کھڑکیوں میں سے مولی نے جھانک کر دیکھا ـــ بے قرار جانباز قزاقوں سے بیرونی صحن بھرا ہوا تھا ـــــ ایک بڑی لڑائی لڑنے کے لئے دشمن کے ٹکڑے اڑانے کے لئے ان کے دل مچل رہے تھے ـــــ انکی آنکھیں دشمن کے خزانے پر گڑی ہوئیں تھیں۔ اُن کے تصور نے ان کے سامنے ہزاروں خزانوں کے مُنہ کھول دیئے تھے ـــــ اُن کی برہنہ شمشیریں ان کے بے قرار ہاتھوں میں مچل رہی تھیں ـــــ ایک پُراسرار جوش سے اُن کے منہ سے کف جاری تھا ـــــ

آج بڈھا ضیغم بھی باہر نکل آیا تھا ـــــ افیون کے لمبے نشہ کے بعد آج صبح سے اس کی آنکھیں برابر کھلی تھیں، اور وہ اپنی کمزور آوازمیں چیخ چیخ کر صلاح و مشورہ دے رہا تھا۔

"تم پسپائی کو ایسے استعمال کرو جیسے کوئی عورت اپنے پنکھے کو"

وہ چلّایا "دشمن کی پسپائی سے پیار کرو ـــــ اِس امر کے منتظر رہو کہ وہ تمھارے قائم کردہ مرکز پر آجائے"

"بیشک مُعزّز ضیغم ہم ایسا ہی کرینگے" ـــــ انھوں نے ہم آواز ہوکر جواب دیا۔

لیکن نوجوان ضیغم چلانے پر اپنا وقت ضائع نہیں کر رہا تھا ۔ وہ دائری ـــ میں بیٹھا منصوبے باندھ رہا تھا ، سوچ رہا تھا کہ نیلے بھیڑیے پر آخر قابو کیسے پایا جاسکتا ہے ۔ میز پر ایک بڑے پہاڑ اور اس کے گرد و نواح کا نقشہ پھیلا ہوا تھا ۔

مولی دبے پاؤں اندر داخل ہوئی ۔ وہ فکروں میں ڈوبا بیٹھا تھا آہٹ جو ہوئی تو اُس نے سر اٹھایا ۔

" آج سے ایک ماہ بعد ـــــ میں یہاں ہونگا" اُس نے انگلی سے ایک جگہ اشارہ کیا "یہی نیلے بھیڑیئے کی قیام گاہ ہے۔"

" اور میرا کیا ہوگا ؟"

" میرا کیا ہوگا سے تمھارا کیا مطلب" ؟

" میں کہاں رہونگی آخر ؟"

" جہاں تم اب ہو" ضیغم نے حیرانی سے کہا " میرا انتظار کرتے رہو"

" نہیں " مولی نے کہا " تمھارا یہ خیال غلط ہے ، جب تک تم آؤگے میں یہاں نہ رہوں گی" اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں دوڑ گئی اور بستر پر گر کر رونا شروع کیا ۔

ایک لمحے بعد وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے تبلاؤ" آخر اس کا کیا مطلب ؟ تم نے کہا جب میں یہاں لوٹوں گا تم یہاں نہ رہوگی ؟" اس نے جواب طلب کیا۔

اور مولی خاموش پڑی رہی۔ کسی غمگین بچے کی مانند۔

وہ سوچ رہی تھی۔

"مجھے اس سے کتنی محبت ہے، اور وہ مجھے یوں تنہا چھوڑ دینے پر راضی ہے۔ میں اس سے جدا کیسے رہ سکتی ہوں ؟ میرے دیوتا اس کے دل اور میرے دل میں کتنا فرق ہے ؟"

"تم نے سنا بھی کہ میں نے کیا کہا ؟" ضیغم نے پھر سے پوچھا۔

وہ اٹھ بیٹھی۔

"میں نے جو کچھ سوچا وہی تم سے کہدیا" بڑی سرد مہری سے مولی نے جواب دیا۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس کے لطیف و نازک دل پر کسی نے اپنا فولادی گھونسہ لگا دیا ہے۔

"اور یہ تمام لڑائیاں" وہ کہے گی سب فضول ہیں۔"

یہ ایک بڑی لڑائی کا آغاز تھا۔

اور جب تک دونوں لڑتے رہے باہر کی جنگ موقوف رہی۔

مولی اپنے کمرے سے ـــــــــــ قدم باہر نہ نکالا۔ وقفے وقفے سے وہ اندر آتا دونوں لڑتے اور ایک بار پھر وہ مولی سے جدا ہو جاتا۔

باہر قزاق بڑبڑاتے، چیختے، اور گھوڑے زمین کی دھول اکھیڑ دیتے۔ بڈھا

ضیغم تھک گیا تھا ـــــ اب وہ پھر سے افیون کا انٹا دبانے لگا تھا۔
موّلی گھنٹوں اپنے کمرے میں یکہ و تنہا بیٹھی رہتی۔ اور ضیغم کنپٹیوں
میں سر ہاتھوں میں دیئے بیٹھا رہتا۔ موّلی کے آہنی ارادوں کے سامنے
ضیغم نے ابتک اپنی شکست نہ مانی تھی سوائے اسکے کہ وہ ابتک لڑائی
پر نہ گیا تھا۔ لیکن اس کے چلے جانے کا امکان باقی تھا، کیا خبر اسی لمحے
وہ چلا جائے۔ اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ گھوڑوں پر زین کس کر حکم کے
منتظر رہیں۔

اور اس طرح تین دن گزر گئے۔

اور تین دن وہ لڑتے رہے!

اور یہ سارا ہنگامہ اس لمحے سے شروع ہوا جس لمحے اُن میں ایک
باہمی رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ اور یہ مادہ اتنا زبردست ہو گیا تھا کہ اس سے
دونوں کو بھی چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ اس لئے کہ موّلی نے اعلان کر دیا تھا،
"اگر وہ اس ذلیل جنگ پر چلا جائے گا تو وہ اپنے گھر چلی جائے گی اور
پھر کبھی واپس نہ آئے گی۔"

اور ضیغم نے کہا تھا "میں حکم دونگا کہ پھاٹک کو قفل لگا دیا جائے
تاکہ موّلی ایک قیدی بن جائے۔"

اور موّلی نے جواب دیا تھا "پھر تو میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
نفرت کروں گی۔ اِس وقت میرا جسم تمھارے قبضہ میں رہیگا لیکن عمر بھر
کے لئے تم مجھے کھو دو گے۔"

ضیغم نے حیران ہوکر پوچھا تھا کیوں؟"
اسلئے کہ تم ایک بے انتہا بے وقوف، احمق ثابت ہو گے جو عورت تم سے محبت کرتی ہے وہ ایسے سلوک کو کب گوارا کریگی، ہاں تمہاری طرح کوئی جاہل نا کندہ تراش ہو تو اور بات ہے" مولی نے بے انتہا نڈر ہوکر کہا۔
"لیکن میں تو جاہل مطلق نہیں ہوں؟" وہ غرایا
"تم؟ ــــــ تم پرلے درجے کے جاہل ہو" مولی چلائی "دوسرے ملکوں کے آدمی تم جیسے ہیں؟ پھر آخر میں کیوں شرمندہ رہوں کہ میں نے ایک جاہل سے شادی کی ہے، بالخصوص میری امریکی سہیلیوں میں تو میں نہ کہونگی کہ تم میرے شوہر ہو۔ ایک پرلے درجے کے جاہل، لٹھ!"
"تم امریکہ جاسکتی ہو ــــــ مجھے اس کی پرواہ نہیں" وہ بڑبڑایا اور جھپاکے سا تھ کمرے سے باہر ہوگیا۔
لیکن دوسرے لمحے وہ پھر جھنجھلاتا ہوا اندر آیا تھا" میں نہیں جانتا آخر میں تمھیں ہلاک کیوں نہیں کر دیتا اور اپنے کام پر کیوں نہیں لگ جاتا۔"
"مجھے مار ڈالو! سچ مچ مجھے مار ڈالو، تمھارے ہاتھوں میں اس سے زیادہ نہیں بڑے کام کرنے کی طاقت ہے۔"
"ہونہہ! عورتیں قتل کرنے کے لائق نہیں" اس نے جواب دیا اور پھر لپک کر باہر ہو گیا۔

ایک مرتبہ وہ پھر اندر آیا۔ کیسا فریبی اور گرگ بہ مسکین بن کر۔ اور اُس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اُس نے سوچا وہ اُس سے نفرت کرتی ہے لیکن پھر بھی موتی کی محبت کا ایک طوفان اس کے سینے میں پھٹ پڑا۔ محبت کے اس زبردست دھارے کو روکنا اُس کے بس کا روگ نہ تھا۔

"آ ــــ لی" اس نے کہنا شروع کیا "آخر یہ کیا جادوگری ہے؟ تم نے میرے احساسات کی دنیا میں ہلچل مچا رکھی ہے، میری وضع زندگی بدلی جا رہی ہے۔ تم یہ کیا کر رہی ہو آلی؟ میں ایک سردار ہوں۔ سردار ابنِ سردار ہوں؟"

"تم؟ ــــ تم حکومت کے باغی ہو؟" اُس نے الٹی سنائی، تمھارے سر کے لئے حکومت کی طرف سے انعام مقرر کئے گئے ہیں" "حکومت!" اُس نے نفرت سے مونٹ سکوڑے "یہ حکومت تو آنی جانی شئے ہے۔ گزشتہ میں سال میں تین حکومتیں بدلی ہیں"

"کیا تم جانتے مولوگوں کو تم سے کتنی نفرت ہے؟" اُس نے جوشِ غضب میں چلا کر کہا "تمھیں اس کی بھی خبر ہے کہ ضیغم محصول لوگوں کو کیسے تباہ کر رہا ہے؟"

"سفید جھوٹ!" وہ بھی طاقت بھر چلایا "میں صرف امیروں سے لیتا ہوں، میں نے غریبوں سے آج تک ایک پھوٹی کوڑی نہیں لی۔ یہ بات ہر سچے قزاق کی روایات سے بعید ہے"

موآلی نے ایک دفعہ اُس کی طرف دیکھا اور وحشیانہ قہقہہ مارا۔

"اچھا آآ ـــــ تو گویا یہاں کوئی ایسی چیز بھی ہے جیسے سچا قزاق!"

موآلی نے بڑی طنز آمیز کٹیلی نظریں اس پر ڈالیں "سچ ہے دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں جیسے ایک ـــــ جیسے ایک قزاق میں نے ایک قزاق سے شادی کی ہے" اور وفورِ رقت سے موٰلی کا گلا بیٹھ گیا۔

وہ پھر سے چلا گیا تھا۔ باہر بھاٹکیں پیٹی جا رہی تھیں اور دیواریں تھرا رہی تھیں۔ موٰلی نے میز پر ہاتھ رکھ کر ـــــ اپنا سر ٹکا دیا تھا۔

ایک بڑے وقفے کے بعد آہستہ سے دروازہ کھلا۔ اور اُسے دیکھے بغیر موآلی نے محسوس کیا وہ اندر آگیا ہے۔

"اگر وہ اندر آجائے ـــــ تو وہ اس سے التجا کریگی کہ ـــــ"

لیکن وہ نہیں بڈھی، ملازمہ آئی تھی۔

"تاخیر سے باہر آدمی غضب ناک ہوئے جاتے ہیں" بڈھی رازدارانہ انداز میں بولی" وہ سازشیں کر رہے ہیں، میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے بی بی، کہتے ہیں اس عورت کو مار نکالو۔ سارے فتنے کی جڑ وہ عورت ہے اور وہ تم ہو بی بی!"

موآلی نے ایک فوری خطرے کا احساس کیا اور مارے خوف کے اچھل کر پنجوں کے بل کھڑی ہو گئی۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں" وہ تڑپ اٹھی "کاش میں یہاں پھر نہ آتی یہ درندے یہ وحشی! آہ میں نے ہمیشہ کیا سوچا اور کیا کر سکی؟"

یہ سوچتے ہوئے وہ آلی کتب خانے کی طرف دوڑی۔
وہ اُس سے کہے گی۔ اُسے جنگ پر ضرور جانا چاہئے۔ وہ گھر جانا چاہتی تھی۔ وہ اُسے پھر کبھی نہ دیکھنا چاہتی تھی۔ ان دونوں کی فطرتوں میں بُعدالمشرقین تھا۔ انھیں ایک دوسرے سے کبھی وابستہ نہ ہونا چاہئے تھا، کہاں وہ شہر کی تہذیب یافتہ عورت اور کہاں وہ پہاڑی جاہل گنوار!
اُس نے سوچا زندگی کے اِس ڈرامے کو اب ختم کر دینا چاہئے جو کچھ ہو چکا تھا اُسے اس کی کوئی پروا نہ تھی۔
لیکن جب وہ کتب خانے کے کھلے دروازے کے پاس پہنچی۔ اُس نے دیکھا وہ میز کے پاس کھڑا ہے۔ اس نے اس کی طرف دیکھا اپنی گہری سیاہ بڑی بڑی آنکھوں سے جس میں غم کی ایک عجیب جھلک تھی!
"تم راتنی پر تھیں آ ——— لی" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ بولا۔ اُس کی آواز میں عجیب مسکینی سی تھی "میں جانتا ہوں میں جاہل، ناشائستہ اور اُجڈ ہوں۔ اگر میں تمھیں کھو دوں گا۔ پھر میرے لئے دنیا تاریک ہو جائے گی، میں روشنی حیات کو کہاں سے لاؤں گا، تم میرے حق میں ایک ازلی اُجالا بن کر اس دن آئی تھیں اُس دن ——— جبکہ میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا تم جو کہو گی اب میں وہی کروں گا ——— میں تمھیں پیار کرتا ہوں!"
دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا "
اور وہ بوڑھی خادمہ اور سازشی قزاقوں کو بھول گئے۔

مولی کے دل میں اس کی محبت کے طوفان اُٹھے اور ساری نفرت کدورت بہا لے گئے۔

وہ دوڑ کر اُس سے لپٹ گئی۔

اُس کے چوڑے چکلے سینے میں دیوتاؤں نے نامعلوم راحت اور مسرت کے خزانے بھر دیے تھے۔ ابدی آسودگی کے دھارے بہتے تھے اور سکون وشادمانی کی ایک دنیا آباد تھی جس میں مولی ہمیشہ گم ہو جانی تھی۔

"پھر تم اتنا لڑتے کیوں ہو؟" مولی نے محبت کے طوفان اور جوشِ گریہ کو بمشکل نگلتے ہوئے دھیرے سے اس سے پوچھا۔

جواب میں ضیغم نے اپنے آہنی بازوؤں میں اُسے بھینچ لیا۔

اور اسی لمحے اس نے ـــــ اس کی تلوار کی جھنکار سنی!!

....

یہ ایک ناقابلِ یقین بات ہو گئی تھی کہ وہ کبھی لڑ بھی چکے ہیں۔ ایک لمحہ پیشتر ان دونوں کو ایک دوسرے سے نفرت تھی، اور اب وہ ایک دوسرے پر دیوانہ وار فریفتہ تھے محبت کے دیوتا کی بھی عجیب فسوں کاری ہے۔

صبح ہی وہ باہر گیا۔

اپنے آدمیوں سے اُس نے کہا اپنی کھیتی باڑی سنبھالیں اب نیلے بھیڑیے کے خلاف کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اس نے خزانچی کو حکم دیا ان کو رو پیئے دیئے جائیں۔

اور وہ چلے گئے ـــــ متحیر و حیران!

"ہم نے سوائے حکومت کے اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا تھا" سارے آدمی افسوس کرنے لگے، اور پُر سکون، سنسان قلعہ میں ضیغم نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا" اب میں کیا کروں ؟ بالکل جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے "اب میں کیا کروں ؟"

"چلو ہم گھر چلیں" گھر کے نام سے اس کا جی بھر آیا، ہانپتے ہوئے وہ بولی "میں گھر جانا چاہتی ہوں"

دوپہر سے پہلے ہی وہ پہاڑ کا نشیبی میدان طے کر رہے تھے۔ موتی سوچ رہی تھی "آخر وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا، اب میں گھر جا رہی ہوں، دیوتا جانیں میرے امّی ابا کس حال میں ہوں گے۔ ماں کیسی ہوں گی، میرے پیچھے انھوں نے کیا حال کیا ہوگا اپنا ؟ آرچڈ کیسی ہوگی ؟ ننھی چوہیا نے رو رو کر نہ جانے کیا اودھم مچایا ہوگا۔ رونیبے کے پھولوں کو دیکھ دیکھ کر روتی ہوگی۔ رو رو کر سب کا منہ دھوتی ہوگی ننھی چوہیا !! —— "موتی نے ضیغم کو دیکھا موتی کے فکر انگیز چہرے پر نگاہیں گاڑے ہونٹ پھڑ کا رہا تھا، اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں ایک سنہری چمک تڑپ رہی تھی۔ موتی کے دل میں محبت کا ایک طوفان اٹھا اس نے محسوس کیا وہ سنہری چمک اُس کی آنکھوں سے دل میں در آئی جاتی ہے۔

لیکن —— لیکن اب وہ گھر جا رہی تھی، وہاں اُس کی ماں ہوگی اور اس کا باپ! وہ تیزی سے اُس کے ساتھ اندر جائے گی —— اور

"ماں، ابا!" وہ کہے گی" یہ میرا شوہر ہے" اور اس کے بعد وہ اس رمز کو افشا کرے گی جس کو سن کر سب کے ہوش اُڑ جائینگے، کوئی یقین کریگا کہ کیا کہہ رہی ہے ـــــ یعنے وہ کہیگی

"یہ ضیغم کا بیٹا ہے"

پھر اس کے بعد؟ ـــــ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔

....

"ابا" وہ کہہ رہی تھی ـــــ "ماں! یہ میرا شوہر ہے"

کنکھیوں سے دونوں بوڑھے بیٹھے اسے گھور رہے تھے۔ اس کی ماں کے جسم پر ماتمی لباس تھا۔ اس کے ننھے پاؤں میں سفید جوتیاں تھیں، اور ایک سفید ڈوری اس کے کالے بالوں میں سے نظر آرہی تھی، جس کی سفیدی سے اس کے سیاہ بال اور بھی گھنیرے نظر آرہے تھے۔ لیکن اس کا باپ ایسی عام حالت میں تھا جیسا وہ اکثر رہا کرتا تھا۔ نہ ماتمی لباس، نہ چہرے پر پریشانی۔ ساکت وصامت جیسے وہ بھی سُرخ مٹی کا کوئی دیوتا تھا!

"میرا خیال تھا تم مر گئی ہو" اس کی ماں حیرانی کا جادر پھاڑ کے باہر نکلی اور آہستہ سے بولی" آجکل نوجوان خود کو کتنی آسانی سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ کبھی میں سوچتی تھی۔ تم ہم سے کسی خاص وجہ سے خفا ہو کر چلی گئی ہو"

"میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں نے اس کا بھوت دیکھا ہے؟"

اس کے باپ نے کہا
"ان کے دماغ میں یہ خیال کسی طرح گھسا ہی نہ تھا کہ وہ وہاں موجود ہے ـــــ اور یہ دراز قامت نوجوان ...."
"تمہارا شوہر" اس کی ماں نے کہا "میں اُسے نہیں جانتی، میں نے تو اس کی شکل بھی کبھی نہیں دیکھی" "میں نے بھی اسے کبھی نہیں دیکھا"
اس کا باپ بڑبڑایا۔
"ابّا! میں نے تم سے کہا نہیں تھا، میں نے اپنا شوہر پسند کر لیا ہے"
موکی نے اسے یاد دلایا اور پھر اپنے منصوبے کے مطابق بولی "یہ ضیغم کا بیٹا ہے"
اُس کے باپ نے سر اٹھایا ـــــ اس کی آنکھیں پھٹی پڑتی تھیں اور منہ سے پائپ گر کر اس کے دامن کو جلا رہا تھا۔ اُس کی ماں اُچک کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور مثل تصویر خاموش کھڑی تھی۔
"تمھیں کچھ ہو تو نہیں گیا؟" اُس کا باپ بالآخر چلّایا "تم آپے میں ہو کہ نہیں؟"
"کاش وہ امریکہ نہ جاتی" لب تصویر کو بھی جنبش ہوئی۔
موکی ضیغم کی طرف پلٹی "اُن سے کچھ کہو ذرا منہ تو کھولو"
"کیا کہوں آخر" وہ بولا۔
"کچھ تو کہو، ذرا انھیں اپنی آواز تو سناؤ، تاکہ وہ تمھاری آواز سنیں اور یقین کریں کہ تم حقیقتاً کچھ ہو"

اور اس نے نہایت ہی دل خوش کن لہجے میں کہنا شروع کیا
"یہ ـــــ آپ کی صاحبزادی ـــــ میرے گھر آئیں، یہ کہنے
کیلئے ـــــ" دفعتاً وہ موتی کی طرف مڑا" ارے تم نے تو مجھے
یہ بتایا ہی نہیں کہ تم وہاں کیوں آئی تھیں، حالانکہ تم نے اس دن وعدہ
بھی کیا تھا" وہ رک گیا

موتی مسکرائی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا یہ بھی خوب لطیفہ رہا
وقت نے کیا سے کیا کر دیا لیکن مجھ سے ہنوز اصل مطلب نہ کہا گیا خوب!

"یہ ایسے ہوا ابا" وہ جلدی سے بولی" جس دن میں نے آپ کو
قائد بن شہر کے ساتھ اس قدر پریشان دیکھا تھا میں نے تہیہ کر لیا تھا
کہ میں تنہا ضیغم کے پاس جاؤں گی اور اس سے کہونگی کہ :-
لوگوں کو تباہ کر کے وہ کس قدر بدکار، جابر اور ظالم مشہور ہو چکا ہے
میرا خیال تھا وہ ایک جاہل بڈھا ہوگا شائد بدل جائے ـــــ میں نے
تہیہ کر لیا تھا کہ اس کو اچھی طرح سمجھاؤں گی اور کہوں گی کہ انسانیت
کے چہرے پر وہ کیسا بدنما داغ ہے! ـــــ میں دراصل تمھیں بچانے
گئی تھی ابا"

وہ ہانپ کر بولا" سچ؟ یہ بات تھی ـــــ اور اس طرح تم
ضیغم کو گھری رے آئیں آخر"

"آہ! میں نے دیوتاؤں سے کتنی التجائیں کی تھیں" اس کی ماں
بولی" میں نے دعائیں مانگی تھیں کہ تیری شادی اس مہینے کے اختتام

سے قبل ہو جائے ــــ لیکن ہائے انھوں نے میرے ساتھ کیسی چال چلی"
"میں نے پہلے ہی تم سے کہدیا تھا کہ دیوتاؤں سے جو کچھ کہ تم کہنا
چاہتی ہو اچھی بات نہیں ہے ــــ اس میں خطرہ ہے" اُس کے
باپ نے بےحد سنجیدہ بن کر کہا لیکن آنکھوں سے طنز کے پیکان
چمک چمک کر گر رہے تھے" وہ کچھ ایسا شرارتی جذبہ رکھتے ہیں
اور کچھ ایسی توڑ مروڑ کر چالیں چلتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی"
ماں جل کر رہ گئی، منہ سکوڑ کر ابرو پر بل ڈالے اور گردن توڑ
کر پاٹ کر بیٹھ گئی، دفعتاً ضیغم نے کہا " ابّا ! میں اتنا بُرا نہیں ہوں جتنا
لوگوں کا خیال ہے ــــ تم میرا امتحان لے سکتے ہو"
اگر دیوتاؤں نے خود انھیں بھیجا ہے ماں" موٰلی نے ہنستے
ہوئے کہا" پھر تو تمھیں انھیں ضرور قبول کرنا چاہیئے۔ اُن کی تو بڑی
قدر کرنا چاہیئے، ورنہ دیوتا ناراض ہو جائیں گے"
لیکن موٰلی کے والدین کے لئے اُس کی یہ حرکت بھول جانا بہت
مشکل تھا۔ اُن کو اپنی اکلوتی کے سہرا دیکھنے کا کتنا ارمان تھا کیسی کیسی
حسرتیں اُس کے بیاہ کی اُن کے دل میں تھیں۔ اور وہ ایسی نکلی اُنکے
دل خون ہو کر رہ گئے۔ غم و غصہ پی کے رہ گئے، کیا کرتے ہونٹ بھی
اپنے اور دانت بھی اپنے تھے! موٰلی نے غضب یہ کیا تھا ضیغم سے
شادی کی ــــ جیسے دنیا میں کوئی نوجوان تھا ہی نہیں!
موٰلی ضیغم کو پیار سے یونگ آن ــــ "دلبر امن" کے نام

سے بلاتی تھی اور وجہ تسمیہ کہتی "میرا ضیغم" ولیرامن" اس لئے ہے کہ اُس نے بخوشی جنگ وجدل کو استعفیٰ دیدیا ہے"

تم اُس کے لئے کیا کرنے والی ہو؟" اس کے باپ نے اُس سے ایک رات پوچھا۔ "وہ شہر کے لائق تو نہیں ہے، وہ ایسے قدم اُٹھاتا ہے جیسے کوئی وحشی درندہ پنجرے میں ——— ایسے کام نہیں چلیگا۔

اور فی الحقیقت مولی نے غور کر کے دیکھا تو اُس نے محسوس کیا آخر اُسے کچھ کرنا چاہیئے۔ اُس پُرانے لال لال چوکور اینٹوں والے گھر کا خاموش ماحول ضیغم کا گلا گھونٹے ڈالتا ہے۔

"تا ——— لی میں یہاں نہیں جی سکتا" وہ شکایت کرتا "سمندر کی گرم ہوائیں میرا دم گھونٹے دیتی ہیں۔ مجھے پہاڑوں پر رہنے کی عادت ہے"

رنج وغم سے اُس کا گلا بھر آتا، اس نے بڈھے ضیغم کو اس کے آخری زمانے میں خصوصاً بیماری کی حالت میں یوں چھوڑ دیا تھا۔

"مجھے اس قدر جلد اُسے یوں نہ چھوڑنا چاہیئے" اُس نے مولی سے کہا "ایسا کام کان فوشئس کی تعلیم کے خلاف ہے"

"اوہ! اب کان فوشئس کو خدا نہیں مانتا" وہ شوخی سے بولی "لیکن اس کے زہد وتقوے سے کیسے انکار ہوسکتا ہے" اس نے بحث کی

بیساختہ مولی نے کہا

"تو پھر تم چلے جاؤ ——— اگر تمھارا دل یہی کہتا ہے تو پھر یوں ہی سہی"

اور وہ لرز کر رہ گئی" نہیں نہیں" اس نے چلّا کر اپنے جملے میں اضافہ کیا" میرا یہ مطلب نہیں کہ تم چلے جاؤ"

وہ واپس نہیں گیا ——— کبھی اُسے یقین سا ہو جاتا تھا کہ وہ اب کبھی بھی واپس نہ جائے گا ——— کبھی کبھی جب وہ پھر ایک لمبی یگانگت اور یکسانیت سے لبریز گفتگو میں مصروف ہو جاتے تو موتی اکثر اُس کو غور سے دیکھتی اور اُس کی دماغی قابلیت پر غور کرتی ——— وہ دماغ جو نا تربیت یافتہ لیکن مضبوط اور قوی تھا!

ایک دن

سبز لان پر موتی اور ضیغم لیٹے ہوئے تھے، اس طرح کہ موتی سیدھی لیٹی تھی اُس کے دونوں ہاتھ اُس کے سر کے نیچے تھے۔ ہاتھوں کے نیچے سے گھیری سیاہ زلفیں جھانک رہی تھیں اور پیشانی پر کچھ زلفیں پریشان تھیں، گال مسرّت سے سُرخ ہو رہے تھے، اور سرخی رینگتی ہوئی کانوں کی لوؤں تک جاری تھی ضیغم چھاتی کے بل لیٹا ہوا تھا، دونوں ہاتھ ایک پر ایک ٹھوڑی کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ گہری سیاہ آنکھیں جن میں سرخ ڈوروں کا جال سا بُنا ہوا تھا موتی کے شگفتہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ موتی بھی کبھی کبھی آنکھیں چار کر لیتی، اور پھر فوراً شرم کی ایک لہر اُس کے چہرے پر دوڑ جاتی جس سے اُس کے چہرے کی سرخی دگنی ہو جاتی ——— یہ مشرقیت!

دفعتاً باتیں کرتے کرتے موتی اُٹھ کر بیٹھی، ضیغم گردن اُٹھا کر حیران

اُسے دیکھنے لگا "کیا تم پڑھنا پسند کرو گے؟" اُس نے پوچھا
"ضرور!" بڑے زور سے ضیغم نے کہا اور مارے اشتیاق کے اُٹھ بیٹھا
مولی نے اپنے کالج کی پرانی کتابیں نکالیں۔ اور وہ دونوں انتہائی
مسرت کے موڈ میں کتابوں کے اس ڈھیر میں گم ہو گئے۔
دن تو کیا اس طرح مہینے گزر گئے

پھر؟
کچھ پڑھتے پڑھتے وہ یکایک اُچک کر کھڑا ہو جاتا اور صحن میں جا کر
لمبے لمبے قدم بھرنے لگتا۔ یہی وہ بے سکون اور بے چین قدم تھے جنہوں
نے مولی کے باپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا" وہ ایسے قدم اٹھاتا ہے
جیسے پنجرے میں قید وحشی درندہ!"
اور اب اکثر مولی یکایک گھبرا اُٹھتی اور ضیغم کی طرف سے ایک
نامعلوم خوف اس کے ہر بن مو میں بھر جاتا۔ وہ اُس کے ضیغم ہونے
سے نہیں بلکہ ایک آدمی بن جانے سے ڈرتی تھی۔ وہ اب ——
ایک بے چین، قابل حاکم جو بادشاہوں کی طرح پیدا ہوا اور شاہانہ
پرورش پائی تھی تو وہ حکومت کرنا چاہتا تھا —— اور اس کے لائق اب
کوئی کام نہ تھا۔ وہ مولی سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتا تھا اور
ہر دم اُس کا تقاضا ہوتا کہ مولی کوئی کام بتائے۔ ہر لمحہ احتجاج کرتا کہ
بیکار اُس سے تو بیٹھا نہیں جاتا۔
آجکل وہ ایسے مطالعہ کر رہی تھی جیسے اِس سے پہلے اُس نے

کالج میں کچھ بھی نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ جو کتاب بھی وہ اُس کو پڑھاتی وہ اُس کے ایک ایک جملے پر بحث کرتا اور مارے سوالات کے اُس کا ناطقہ بند کر دیتا۔ موکی نے بخوبی محسوس کیا اُس کی اپنی لیاقت ضیغم کے لئے قطعاً کافی نہیں ہے۔ مارے خوف کے وہ راتوں کو جاگنے لگی تھی وہ سوچا کرتی شاید ایک دن ایسا بھی آئے جب خود اُس کا اپنا وجود ضیغم کے لئے ناکافی ثابت ہو!

مارے غم کے وہ گھلنے لگی۔

ضیغم کبھی اُس کا، اُس کے ماں باپ کا اُس کے وطن کا دشمن تھا لیکن آج اُس ظالم کے رشتۂ حیات سے اس کے دل کے وہ تار وابستہ ہو گئے تھے جن پر محبت کے پیارے مدھ بھرے نغمے گائے جاتے ہیں۔ آج یہ دشمن اُس کا عظیم ترین دوست تھا۔ اس کے لئے اس کی ہستی کی بقا کے لئے اس کے دل کے سکون کے لئے موکی اپنی جان نثار کرنے پر دل سے آمادہ تھی۔ اور ضیغم کی ہر جہتی فلاح و بہبود کا خیال اُس پر ایسا چھایا کہ وہ اندر ہی اندر گھلنے لگی۔

تدبیروں اور منصوبوں کے تانے بانے وہ روز بُنا کرتی تھی۔ اور کوئی نہ کوئی پہلو ایسا نکل آتا تھا کہ چشم زدن میں یہ آرزؤں ارمانوں کے وسیع و بسیط جال مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ جاتے تھے۔

ایک دن اُس نے سوچا ——— !

"ہمیں شنگھائی چلا جانا چاہیئے، یقیناً شنگھائی کی دلچسپیاں اُسے

اپنی طرف کھینچ لیں گی۔ اس کی وحشت میں کچھ تو کمی ہو گی۔

صبح ہوئی تو اس نے کہا

"تم شنگھائی چلو گے؟"

"کیا ضرورت ہے شنگھائی جانے کی؟"

"وہ ــــــ وہاں نئی نئی چیزیں دیکھنے کے لئے" مولی نے کہا "تم نے متحرک تصاویر یعنی فلم اور موٹریں کبھی نہیں دیکھی ہیں نا!"

"اوہ!" وہ بولا "بچوں کا کھلونا، میرے لئے اس میں کیا خاک دلچسپی ہو سکتی ہے"

مولی کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے

"آخر میں اس آدمی کے لئے کیا کروں؟" اس نے بے صبری سے اپنے دل سے پوچھا۔

....

اور پھر ایک دن ــــ دفعتاً وہ چلا گیا!!

اکثر اس پر بے چینی کے دورے پڑا کرتے تھے۔ ہجوم افکار سے جب اس کا دم گھٹنے لگتا تو وہ بے اختیار صحن چمن میں دوڑ جاتا اور ٹہل ٹہل کر اپنے دماغ کے بخار کو ہلکا کرتا۔

اور رات وہ اسی طرح اپنی بے چینی کے دورے میں کھڑکی سے کود کھڑا ہوا، اور بھاگ کر چمن میں پہنچا اور پھر ٹہلنا شروع کیا۔ مولی اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ اور خوف کھاتی رہی کہ کہیں وفور جذبات

سے اُس کا دم نہ نکل جائے۔ سچ ہے دوست کے دل میں دشمنی کیسے کیسے بُرے خیالات اس کے دل میں آتے ہیں۔

صحن کے اس پار اس کا باپ کھڑکی سے اُس نوجوان سیماب صفت ہستی کو دیکھ رہا تھا۔ سنجیدہ چہرے پر غم کا ابر گھر آیا تھا اور بوڑھی آنکھوں میں ترس تیر رہا تھا!

یہی وہ ترس تھا جسے مولی کبھی برداشت نہ کر سکتی تھی!

وہ پلٹی اور اپنے کمرے میں دوڑ کر دروازہ بند کر لیا۔

"وہ اس آدمی کے لئے آخر کیا کرے جس سے اس نے شادی کی اور متاہل زندگی کی بیڑیاں پہنیں اور محبت کی مہریں دل پر لگائیں۔ اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، شادی کے بعد ماں باپ کے گھر مہمانی بھلی لگتی ہے ـــــ اگر وہ شنگھائی چلے جائیں؟ ـــــ مگر آخر وہ شنگھائی میں کیا کریگا؟"

مولی بستر پر گر پڑی اور بے اختیار رونا شروع کیا۔ اُسے غنیم سے بیحد محبت تھی اور محبت نے کبھی محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ قزاق تھا ایک ظالم، بدخو، زبان دراز انسان، جسکے اشارۂ ابرو نے سینکڑوں شہر ویران کر دیئے تھے جسکے حکم سے لاکھوں آدمی بے خانماں اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے تھے۔ عوام میں وہ کس قدر بدنام تھا حکومت اس کی کیسی دشمن تھی۔ اس کے سر کے لئے انعام مقرر تھے لیکن وہ کیسا بھی ہو اُسے تو اُس سے محبت تھی۔ محبت قزاق، ظالم، جابر، رسوا

بدنام کو نہیں دیکھتی، اُسے ذات سے مطلب ہوتا ہے صفات سے اُسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ زندگی کا یہ پہلو خیں ہی دل کو دخل ہوتا ہے بہت ہی عجیب ہوتا ہے۔ ایک معمّہ، ایک پہیلی جسے کوئی حل نہیں کر سکتا۔ اتنا ہی پیچیدہ اور حسین جیسے قوسِ قزح کے رنگ!

ابھی تو اُن کی محبت کی ابتدا تھی، اُن کی شادی کو ایسے کوئی دن گزرے تھے، ابھی برسوں کی بات تھی، مولی کنواری تھی، اُسے اپنے گھر میں بیکار زندگی گزارنے سے نفرت تھی، وہ مصروفیت کا کوئی ایسا پتھر چاہتی تھی جو اُس کی کاہل منجمد زندگی کے سمندر میں گرے اور ہلچل پیدا کر دے۔

اور اس کی یہ خواہش یوں پوری ہوئی کہ اچانک صنیغم اس کی زندگی میں آ داخل ہوا۔ وہ آندھی کی طرح آیا اور دل کی دنیا میں طوفانِ عظیم برپا ہو گیا۔ اس طوفان نے اُسے ایسا بے دست و پا کر دیا کہ اُس نے گھبرا کر خود کو بالکلیہ طوفان کے حوالے کر دیا۔

وہ بستر سے اُٹھی

"میں اُسے ضرور ڈھونڈ نکالونگی ——— میں اُسے ضرور کھوج لونگی!"

لیکن وہ جا چکا تھا اور وہ صحنِ چمن جہاں پہلے کبھی اُس کے بھاری جوتوں کی گرج ہوا کرتی تھی۔ آج خاموش اور خالی پڑا تھا۔

پہلے تو مولی نے خیال کیا تھا کہ وہ شائد دوسرے چمن میں ہو گا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچی تو دہانِ شبر کی طرح وہ خالی پڑا تھا۔ اُس نے

—— گھر میں گھومنا شروع کیا لیکن کہیں بھی نہ تھا پھر وہ پھاٹک پر پہنچی بڈھا دربان لکڑی کی بنچ پر مزے سے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔
اُس نے جھنجھوڑ کر اُسے اٹھایا "میرے صاحب پھاٹک سے باہر گئے تھے؟"
وہ ہکلاتے ہوئے ہوشیار ہوا " نہ — نہ نہ — ہیں — نہ نہیں تو "
" اوہ! تم یونہی خواب خرگوش میں پڑے رہو گے خواہ گھر میں کوئی فوج ہی کیوں نہ گھس پڑے۔ تم ہو اور تمھاری افیون!" وہ چلائی اور اچانک وہ دم بخود ہو گئی —— اس کی نگاہیں پھاٹک پر پڑیں اور جم کے رہ گئیں —— کئی سلاخیں اُکھڑی ہوئی تھیں۔ اُس نے گھبرا کر زمین پر نگاہ ڈالی —— جوتوں کے نشانوں سے بھری پڑی تھی —— چوڑے تلوں کے جوتوں کے نشان تھے جو عموماً قزاق پہنا کرتے ہیں۔
کیا وہ اُس کے لئے آئے تھے؟ کیا وہ اُن کے ساتھ چلا گیا؟؟
سوالات کی اس کے دماغ میں بوچھار ہو گئی —— اور وفور غم سے اُس کا گلا رندھ گیا۔ اُس نے محسوس کیا۔
اسی لمحے اس کے لئے وہ گھر بالکل خالی تھا!
" میں اُسے نہ چھوڑوں گی" اُس نے دل میں کہا اور کمرے کی طرف دوڑی۔ امریکی مضبوط جوتے پہنے پرس (PURS) لیا اور خاموش گھر سے وہ چپکے سے نکلی۔

گھر اَیسے خاموش کھڑا تھا جیسے بے روح جسد!
پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ بوڑھا دربان پھر سوچکا تھا۔ اُس نے باہر آکر قلیوں سے معاملہ طے کیا اور ـــــ جب وہ پوری حفاظت سے پردوں کے پیچھے چھپ گئی۔ تو اُس نے انتہائی تیزی سے منصوبے باندھنے شروع کئے۔
" وہ پہاڑ پر جائے گی ـــــ وہ اُسے وہ جو چاہے گا کرنے دیگی جو بھی ـــــ جو بھی وہ چاہے اگر وہ خوش رہ سکتا ہے۔
اُسی سے تو اس کی زندگی ہے، کیا یہ ایشیائی عورت کی کمزوری ہے یا دنیا بھر کی عورتوں کا یہ دستور ہے ـــــ میاں زندگی کی جیتی جاگتی جوت ہوتا ہے،
اُس کے بغیر زندگی اندھیر ہوتی ہے!
پہاڑ کے دامن میں وہ اتر گئی۔ اور اُس نے رکھوالے سے پوچھا۔
میرے سردار یہاں سے کب گزرے؟"
اُس نے سر ہلایا اور کہا " آج تو یہاں سے کوئی بھی نہیں گزرا!
" مجھے یقین ہے ـــــ مجھے یقین ہے وہ یہاں سے گزرے ہیں"
مولی نے چیخ کر کہا۔ اُس کے اِدھر سے نہ گزرنے کی خبر سن کر مارے ہیبت کے مولی کے چھکے چھوٹ گئے،
" یہ رہا مالک کا گھوڑا" رکھوالے نے اپنی ٹھوڑی سے بندھے ہوئے گھوڑوں کی طرف اشارہ کیا اور حقیقت میں اُس کا گھوڑا

کھڑا تھا ـــــــ ایک سیاہ منگولی گھوڑا جس پر وہ ہمیشہ سواری کرتا تھا"

"تو وہ یہاں سے بھی نہیں گزرا ؟ ؟ مولی کو چکر سا آگیا۔

دور ـــــ وہاں پہاڑ پر آسمان شکوہ قلعہ تھا، اور نیچے نیلا سمندر اور قصبہ اور اس میں اس کا گھر۔

"میرے لئے زین کسو" مولی نے حکم دیا

"لیکن مالک جو نہیں ـــــ" رکھوالے نے کہنا شروع کیا

"بکو مت" وہ بولی میں اس کی بیگم ہوں ـــــ کیا تم مجھ سے ناواقف ہو ؟"

....

رات کافی بھیگ چلی تھی۔

اور وہ قلعہ کی پھاٹک پر پہنچی اس میں بڑے بڑے تالے لگے ہوئے تھے۔ اس نے پھاٹک پیٹنا شروع کیا۔ اندھیرا غضب کا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس راستے سے وہ صرف تین مرتبہ گزری تھی لیکن وہ اس قدر واقف تھی جیسے کوئی پرانا روز کا آنے جانے والا۔ اتنی رات گئے اور اس اندھیرے میں وہ اکیلی آئی تھی اس کے پہلو میں ایک مرد کا دل تھا، آخر وہ ضیغم جیسے بہادر کی بیوی تھی۔

پھاٹک کھلا۔ بڈھا دربان کھڑا تھا۔

"تمھارے سردار ہیں یہاں؟ اس نے پوچھا

"صرف بڑے سردار" اس نے جواب دیا "اور وہ سو رہے ہیں"

یہاں بھی نہیں؟ کیا ہوگیا وہ آخر؟ ہائے اب وہ اُسے کہاں اور کیسے پائے گی؟

فرطِ رنج و غم سے اس کی چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ کئی طویل اور بلند چیخیں اس کے حلق میں دفن ہو رہی تھیں اور آنسوں کا ایک طوفان انگیز سمندر اُس کی آنکھوں کی کشتی میں ڈوب گیا۔ اُس کا سر چکرایا اور نیچے جھک گیا۔

"میں اندر جاکر آرام کروں گی" اس نے بصد مشکل کہا۔

دربان نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر گئی، گھوڑے سے اتر پڑی۔ اور اندر داخل ہوئی۔

وسیع لب بسط صحن چٹ میدان تھا۔ نہ آدم نہ آدم زاد!

ایک بیخودی کے عالم میں وہ چلتی گئی۔ یہاں تک کہ اندرونی بڑے ایوان میں پہنچی۔ وہاں بڈھی خادمہ بیٹھی چاول کا دلیہ کھا رہی تھی۔ اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیگم آپ"؟ مارے حیرت کے اس کے پوپلے منہ سے دلیہ کا نوالہ گر پڑا۔

"ہاں" مولی نے کہا

یکایک! جیسے بجلی کا ایک قمقمہ چشم زدن میں روشن ہوگیا۔

اُس کے دماغ میں ایک کرن پھوٹ پڑی !

" یہ لوگ ــــ یہ بڈھے آدمی ــــ جادوگر ہوتے ہیں۔ انہیں بخوبی معلوم ہوگا کہ وہ کہاں ہے، میں مکر کروں گی، فریب دونگی اور باتوں باتوں میں پتہ چلا لوں گی کہ آخر وہ ہے کہاں ؟ اگر میں اُس کو نہ پاؤں تو پھر میری ہستی کی کیا ہستی ہے ؟ کیا قیمت ہے ؟ کیا وقعت ہے۔ ایشیائی عورتیں صرف شوہروں کے بل پر جیتی ہیں۔ نہیں نہیں شوہر کی ضرورت اور شوہر کی ذات پر فخر کس عورت کا شیوہ نہیں ؟ ہر عورت کا جو حقیقی معنوں میں عورت ہے اور عورت کے فرائض جانتی ہے اپنے شوہر سے زیادہ اور کسی شئے کی محتاج نہیں آج بد اخلاقی کی یہ مہیب بیماریاں، انسانیت کے جسم کے یہ غلیظ کوڑھ اور ــــ رِستے ہوئے ناسور ــــ محض اِس بات کا نتیجہ ہیں کہ عورتوں نے عورتوں کا مقام نہ پہچانا اور مردوں نے عورتوں کے مرتبے کی قدر نہ جانی حوا کی بیٹیاں آدم کے بیٹوں کے بغیر کیسے جئیں گی اور آدم کے بیٹے حوا کی بیٹوں کے بغیر کب پتہ ہلا سکینگے۔ قدرت کے قانون میں دخل دینے والا سِڑی ہے، پاگل ہے۔ شیشہ پتھر پر گرے تو خود ہی چور چور ہوگا اور پتھر شیشہ پر گرے تب بھی شیشہ کا نقصان ہے۔ اخلاقی پابندی ہر بہ بھی فرض سمجھنا ہے۔ پھر اس راہِ مستقیم سے کوئی کیسے ہٹ سکتا ہے اور اگر ہٹے تو پھر خوشی سے جی کیسے سکتا ہے ؟ شوہر عورت کا سنگھار

اور بیوی مرد کے دل کی راحت، وجہ سکون۔ یہ نہ ہو تو زندگی کے باغ میں دھول اڑنے لگے اور بربادیوں کے لگ جائیں اور......

"بیگم اتنی رات گئے آپ اکیلی آئی ہیں؟" بڈھی خادمہ نے پوچھا اس کی پریشانی قدرے کم ہو چکی تھی۔

"ہاں ں ں ں!" موآلی چونک پڑی اور بڈھی پر نگاہ پڑتے ہی اسکے خیالات پھر سے عود کر آئے "ضرور اس بڈھی کو معلوم ہوگا کہ وہ کہاں ہے"

اسوقت موآلی کے اطراف وہ اونچا عظیم الشان قلعہ محیط تھا لیکن بالکل خالی، ہر شئے سے خالی الآرات کی ہواؤں کے

وہ اپنی خوابگاہ میں گئی اور میز کی دراز کھولی ____ وہاں! ابھی تک وہ محفوظ رکھا ہوا تھا ____ اس کا وہ ننھا پستول جس کو وہ پہلی دفعہ اپنے ساتھ لائی تھی اور بھول کر چلی گئی تھی جس کو اس کے باپ نے ایک ضرورت مند آوارہ گرد امریکی سے خریدا تھا۔

بوڑھی بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی۔

کیا آپ چاہتی ہیں کہ...... بڈھی نے کہنا شروع کیا

موآلی تیزی سے دروازے کی طرف گئی اور بیچ دروازے میں کھڑی ہو گئی۔

"اب" اس نے چیخ کر کہا "مجھے تبلاؤ وہ کہاں ہے؟" اس نے پستول سے بڈھی کے چہرے کا نشانہ لیا۔

قزاقوں ہیں پل کر بڈھی نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے تھے

لیکن جان کے خوف نے اس بڑھاپے میں بھی جان پر بنادی، اور گھبرا گئی، آنکھیں پھاڑ کے پہلے تو چند منٹ لرزا کی پھر آہستہ سے بولی

" وہ غلطی سے پکڑ لیا گیا" گھبراہٹ کو نگلتے ہوئے بولی" حالانکہ وہ لوگ جس کو پکڑنا چاہتے تھے وہ تم تھیں"

" آخر کیوں ؟" کیوں آخر ؟"

" اس لئے کہ ان کا خیال تھا تم نے انھیں ان کے لڑائی کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ اس لئے انھوں نے تمھیں نیلے بھیڑیئے کو فروخت کر دیا ——— تیس پر پانچ ہزار سکّوں کے عوض ——— تمھیں تمھارے والد کے گھر سے اڑا لیا جانے والا تھا"

"کب ؟"

کل رات ——— جب سب سو جاتے، ساری دنیا سو جاتی۔ دو آدمی وہاں سے لوٹے ہیں ان سے سنا کہہ رہے تھے ....."

کون تھے وہ ؟"

" انہیں دونوں نے نیلے بھیڑیئے کے آدمیوں کی رہنمائی کی ہے۔ یہ فرض ان پر عائد کیا گیا تھا"

" پھر کیا ہوا ؟"

" بیگم وہاں اور بھی آدمی موجود تھے۔ تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں"

" لیکن کسی نے کسی کی آہٹ تک نہ سنی"

بڈھی خادمہ ڈوبی ہوئی آواز سے بولی ؛

"نہیں! انھوں نے ضیغم کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تاکہ وہ آسانی اندر گھس سکیں خوب خوب انھوں نے اُسے باتوں میں لگایا۔ اِدھر اُدھر کے قصے سناتے، کبھی کہتے مالک پہاڑی پر خود بخود دھان کے کھیت اُگ آئے ہیں، کبھی کہتے۔ انکی پہاڑی کے نشیبی میدان میں جاء ہوئی جائے گی، اور کبھی کہتے کہ آپ کے والدِ محترم ....

"لیکن تمھیں کچھ خبر بھی ہے، ضیغم وہاں سے چلا گیا ہے؟"

مولی نے کہا۔

"نیلے بھیڑیے کے آدمی اُسے اٹھالے گئے ہیں بیگم!"

"اور خود اس کے آدمی جو وہاں موجود تھے، کیا اُن کے ہوتے ہوئے نیلے بھیڑیے کے آدمیوں نے یہ جرأت کی؟؟"

مولی غصے سے کانپنے لگی۔

"ہاں بیگم، جب اُنھوں نے دیکھا کہ خود ضیغم تمھاری بجائے زد میں آگیا ہے تو وہ ایسے گھبرائے کہ بیساختہ بھاگ کھڑے ہوئے"

"خوب! اور انھوں نے کچھ بھی مداومت نہیں کی؟"

"نہیں بیگم ہر چند انھوں نے کہا، بھئی وہ عورت کا معاملہ تھا ہم نے خاتون ضیغم فروخت کی تھی نہ کہ خود ضیغم، لیکن نیلے بھیڑیے کے آدمیوں نے کہا۔ ہمیں حکم ہے کہ مرد کو لائیں عورت کو نہیں لہٰذا وہ بھاگ کھڑے ہوئے؛

"لہٰذا وہ بھاگ کھڑے ہوئے! کیا خوب! لیکن گرفتار ہو جانا میرے شوہر کے شایانِ شان نہیں"۔

"آہ بیگم! تم نہیں جانتی وہ پانچ مضبوط اور طاقتور آدمی تھے ——— پانچ آدمی!"

"اور کسی نے بھی انھیں نہ دیکھا؟" موآنی کو کسی طرح یقین ہی نہ آتا تھا" یہ بڈھی کہیں لقمہ نہ دے جائے"

وہ سوچنے لگی۔

"رات کا وقت اور گھنبیرا اندھیرا، انھوں نے ایک گاڑی تیار رکھی تھی اور وہاں تین آدمی پردوں کے پیچھے اُسے باندھنے کے لیے چھپے ہوئے تھے"

"یہ سازش آخر کی کس نے؟"

"خود اس کے اپنے آدمیوں میں سے ——— دو آدمیوں نے"

"انھیں بلا بھیجو ——— نہیں، ——— ٹھہرو ——— میں گھر جا رہی ہوں"۔

"بیگم! اتنی رات گئے؟" مارے حیرت اور پریشانی کے بڈھی خادمہ اس سے لپٹ گئی۔ اور یہ بھی بھول گئی کہ موآنی کے پاس بھرا ہوا پستول موجود ہے۔ اور اُسے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ وفادارانہ جذبات سے اُس کا سینہ پھٹا پڑتا تھا۔

"تم پریشان نہ ہو ——— تم نے مجھے جس راز سے آگاہ کیا یہی

تمہارا بڑا احسان ہے۔ میرے پاس اُن کا گھوڑا موجود ہے بڑا سلامت رو ہے" اس نے پستول سینے میں چھپا لیا۔ اور غندا کا انتظار کئے بغیر پھر سے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

....

صبح صبح ہو رہی تھی وہ گھر پہنچی، دربان اُسے گھورتا جاتا تھا پھاٹک کھولتا جاتا تھا۔ وہ تیر کی طرح اپنے باپ کی خوابگاہ کی طرف بھاگی۔

"ما ـــــ بی بی کیا ہوا؟؟" اُس کا باپ اُسے دیکھتے ہی چلّا اُٹھا۔

"اَبّا" موتی اُس کے سینے سے چمٹ گئی اور بچوں کی طرح مچل کے بولی" ابا مجھے ضیغم محصول دو، مجھے اُس کی ضرورت ہے ساتھ ہی موتی نے محسوس کیا اس کا سر چکرا رہا ہے، اُسے کچھ کھائے اور سوئے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا تھا۔ باپ کے سینے سے لگی ہوئی وہ گھومی اور گر پڑی

....

کتنی دیر تک وہ سوتی رہی، اُسے خبر بھی نہ ہوئی، دن رات میں تبدیل ہونے والی تھی، اُس کی خوابگاہ کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں، پردے ہٹے ہوئے تھے، آر جڑتے کھڑکیوں میں بڑے بڑے خوبصورت گلدستوں میں پھول سجا دئے تھے بیلے کے پھول ما ہولی

کو یہ پھول کیسے پسند تھے اور ضیغم بھی اُن کا دیوانہ تھا۔ جس وقت کوئی چاہنے والا یہ دیکھتا ہے کہ اس کے محبوب کو بھی وہی چیز عزیز ہے جو اُسے پسند ہے، اس لمحے دل کا جو حال ہوتا ہے نہ الفاظ میں طاقت ہے کہ اُس کیفیت کو اپنے میں سمو لیں نہ زبان میں طاقت کہ اُس اثر کی تصویر کھینچ دے۔ موتی نے دیکھا ــــ سورج غروب ہو رہا ہے، شفق کی سرخی کے بیک گراؤنڈ پر بیلے کے زرد زرد پھول، کتنی پیاری تصویر تھی! ساتھ ہی موتی کو ضیغم کا خیال آیا ــــ قدرتی نظاروں کا یہ پرستار اور بیلے کے پھولوں کا یہ دیوانہ موتی کا پیارا شوہر ــــ خدا معلوم اب کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟ موتی تڑپ گئی، آنسو بے اختیار بہہ نکلے بستر سے لپک کر اٹھی اور بیلے کے پھولوں کے ایک گلدستے کو سینے سے چمٹا لیا۔ روتی جاتی تھی اور پھولوں کو دیوانہ وار چومتی جاتی تھی گویا ان میں اس کے محبوب کی خوشبو بسی ہوئی تھی!

ضیغم کے خیال میں ایک عرصے تک گم رہنے کے بعد اور ایک عرصے تک رونے کے بعد اُس کے دل کی بھڑاس نکلی، اس عرصے میں کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ آر چیڈ شمعیں جلا چکی تھی اور پردے بھی گرا چکی تھی ــــ موتی بستر پر آ کر بیٹھی۔

بستر پر آ کر بیٹھی تو پھر وہ منصوبہ جو اُس نے راستے میں باندھا تھا اُس کے دماغ میں آ موجود ہوا۔ اُس نے سوچا ایک ...

کے لئے کتنی رقم لگے گی؟ ـــــ خود ضیغم کی اپنی فوج سے وہ کام لے گی، اس کے آدمیوں کو منظم کرے گی اور ـــــ نیلے بھیڑیے کے خلاف دھاوا بول دیگی۔"

دفعتاً دروازہ کھلا اور اُس کا باپ ایک تار ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوا، اُس کا چہرہ خزاں کے پتّے کی طرح زرد تھا۔

"ہم لٹ گئے! ہم تباہ ہو گئے!" اُس نے چلا کر کہا

"وہ کیسے؟" موآلی کے ہوش اڑ گئے، یہ تازہ مصیبت نازل ہوئی یا ضیغم پر کچھ آفت آئی؟ "کیا ہوا آخر اُسے؟ میرے ضیغم کو کیا ہوا ابّا؟"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا؟" اُس کے باپ نے کہا "ملک ہاتھ سے گیا ـــــ جاپانی شنگھائی میں اتر گئے ہیں ـــــ تمھارا پچھا کہنا ہے......"

موآلی کا دماغ الفاظ کی مار سے گھوم گیا۔ ہر وقت نئی مصیبت!

"جاپانی؟؟ ـــــ تب تو اس کے بچپن کا خواب صحیح تھا اور یہاں چین میں کیا رکھا ہے۔ دنیا بدل رہی ہے، نئی کروٹیں لے رہی ہے، اور چینی ہیں کہ خوابِ خرگوش میں پڑے ہیں، نہ ٹھیک سے گھر کا سامان ہے نہ گھر کی حفاظت کا، آہ کیسی پستی ہے۔ کیا زبوں حالی ہے، دیوتا آخر کیا کر رہے ہیں؟ سو رہے ہیں؟ جب دیوتاؤں نے حفاظت کا خیال چھوڑ دیا تو انسان کیا کر سکتے ہیں۔ نہیں؟ یہ مٹی کے بے ہنگم بت۔ بھلا یہ کیا کر سکینگے؟ امریکہ اور یورپ میں کون دیوتا ہے

——— سائنس دان، ڈاکٹر اور فلسفی ——— یہ ہیں وہاں کے دیوتا ——— پھر ایسے دیوتا چمن میں کب پیدا ہونگے؟ کب پیدا ہونگے؟ یہاں چمن میں ہر چیز فضول ہے، محض بیکار! کوئی شئے کام کی نہیں ——— آدمی سے لیکر جانور سب ہی بیکار! نہ بندوق نہ کارتوس، نہ ٹینک نہ ہوائی جہاز۔ آخر یہ حالت کب تک رہیگی؟ کب تک رہیگی یہ حالت؟ کاش دیوتا کچھ کرتے!!" ———

"بچپن کے بھیانک خواب اصلیت کا جامہ پہن رہے ہیں ——— ضیغم کچھ کم خوفناک خواب تھا؟ ——— اس قصے کو اسکے حسنِ تدبیر نے ہمیشہ کے لئے ختم کیا ——— لیکن یہ جیاؤ! یہ بھیانک دیو ———! اِن کو کون برباد کریگا؟؟ کون ایسا سپوت پیدا ہوگا؟

مادرِ وطن! کیا تم سورہی ہے ——— جاگو ——— جاگو! اب وقت آپہنچا ——— اب وقت آپہنچا ——— کاش اِس وقت کچھ ہوسکتا!!"

"وہ اپنے بموں سے سائنس کے پرخچے اڑا دیں گے!" اُس کا باپ بولا "اوہ ہم سب ہلاک ہوجائیں گے!" فرطِ غم سے اُس کا گلا رندھ گیا "ہم مطلق تیار نہیں ——— کوئی بھی تیار نہیں ——— کاش ایک تربیت یافتہ توجہ ہوتی!! اے کاش!! بڑے دیوتا ہمارا کچھ خیال فرماتے۔"

آج وقت نے دیکھا ایک باغی دیوتاؤں کا باغی ——— دیوتا مٹی کے ہی ——— ان کو بلک بلک کر پکار رہا ہے۔ بڑے تصوفانہ انداز

میں گفتگو کر رہا ہے ـــــــ تصوف، بدحالی، انتشار اور انقلاب کے زمانے کی پیداوار ہوتا ہے!

"اگر وہ یہاں ہوتے" مولی نے کہا "وہ کچھ نہ کچھ کرتے، اُنکے پاس ایک پوری تربیت یافتہ فوج ہے، بالکل تیار ـــــــ لڑائی پر جانے کے لئے پھڑک رہی ہے"

"کہاں ہے وہ پھر؟" اُس کے باپ نے بیصبری سے پوچھا۔

"ابّا یہ تو میں جانتی ہوں وہ کہاں ہیں" وہ بسورنے لگی "نیلے بھیڑیے نے اغوا کیا ہے، لیکن اُس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے ابّا تاکہ ـــــــ"

"تمھیں مل جائے گی ـــــــ ضرور مل جائے گی" اس نے کہا نہیں بلکہ اطمینان دلایا۔

"ایک ہوائی جہاز چاہیئے ابّا ـــــــ مولی نے سہارا پاکر جلدی سے کہا "ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز ایک تجربہ کار پائلٹ"

"میں ایک جہاز کے لئے ابھی تمھارے چچا کو شنگھائی تار دیتا ہوں"

"نہیں ابّا ـــــــ ایک بڑا ہی چاہیئے ـــــــ انھیں واپس بھی لانا ہے"

اُس کے باپ نے سر ہلایا اور باہر چلا گیا۔

ایک لمحے تک وہ ساکت بیٹھی رہی،

"کیا وہ دیکھ رہی ہے؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آجکل یہ کیا ہونے

لگا ہے؟ ابھی ایک مہینہ نہیں ہوا وہ ایک اکلوتی لاڈلی بیکار
بیکاری سے پریشان ہونے والی، امریکہ کی گریجویٹ لڑکی تھی
پھر وہ ضیغم کے پاس اپنے وطن کو مصیبت سے چھڑانے گئی اور خود
ضیغم ہی اُس کا ہو گیا ــــ وہ لڑکی سے ایک موروثی قزاق کی
بیگم بن گئی ــــ پھر شوہر کے مزاج کو اپنانے میں اس نے اُس کو
بھی کھو دیا ــــ اور اب جیا نی ــــ اس کے شوہر کی مدد کے
بغیر کیا ہو گا؟ ــــ آخر یہ زندگی اپنے محوّر پر اتنی تیزی سے کیوں
گھوم رہی ہے؟ ــــ کیا وقت کی رفتار تیز ہو گئی ہے؟ دُنیا
شاید بدل ڈالی جا رہی ہے، دیوتا بیدار ہو رہے ہیں، آنکھیں مل مل
کر بیدار ہو رہے ہیں، ایک طویل مدت کے بعد خواب راحت سے
بیدار ہو رہے ہیں ــــ بعض وقت راحت بھی مصیبت بن جاتی
ہے ــــ زیادہ شکر سے تلخی پیدا ہوتی ہے ــــ امرت کا سرچشمہ
بس یہیں ہے!"

اُس کا سر دیوانہ وار گھوم رہا تھا، خیالات ایک دوسرے
پر ٹوٹے پڑتے تھے اور مولی پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ
کر رہی تھی۔ بالآخر اُس نے سوچا۔

"یہ ایک دیوانہ شہر ہے ــــ سب آپس میں گتھ گئے ہیں
نیلا بھیڑیا اور جیا نی ــــ وہ اور میں!"

....

موکی نے امریکہ میں ایک دفعہ ہوائی سفر کیا تھا۔ وہ اور میری لین (MARYLANE) دونوں نے واشنگٹن میں جیاپانی گجرا سے پھول دیکھنے کے لیئے پرواز کی تھی۔ نازک غنچوں کی خوش رنگ دلاویز پتیاں ٹپک رہی تھیں اور اس خوشبودار سائے میں موکی اور میری لین دونوں کھڑی تھیں۔ خوشبو سے مست و بیخود ہوئی جارہی تھیں۔ موکی نے یہ بات بالکل فراموش کردی تھی کہ اُس کا باپ اُسے ہمیشہ جیاپانیوں سے نفرت کرنا سکھاتا تھا۔ وہ اس خوشبودار سائے کے نیچے کھڑی ہو کر سوچنے لگی جو لوگ چیری کے غنچوں سے محبت کر سکتے ہیں وہ دشمن نہیں ہو سکتے۔ اور چشم تصور نے ایک دم اسکے آنکھوں کے آگے ایک عجیب و غریب تصویر پیش کی۔ اب شنگھائی پر بم آسمان سے پھولوں کی پتیوں کی طرح برس رہے ہوں گے۔

موکی کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آنسوؤں کے اس آئینہ میں اس نے یہ منظر فلمی پتیوں کی طرح گھومتے دیکھا ——— آنسو اُس کے رخساروں پہ دوڑ نکلے اور اس غم سے کہ اُس کا وطن کس بدحالی اور بیکسی کے عالم میں ہے اُس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا!

پائلٹ شانٹنگ کا ایک نوجوان چینی تھا۔ انھیں انگریزی زبان میں گفتگو کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ اُن کی بولیاں جُدا جُدا تھیں۔

انجن نے غرانا شروع کیا اور جہاز اوپر اٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ شہر پیچھے چھوٹا اور اب ——— وہ اتنی اوپر پہنچ گئے تھے کہ وسیع و بسیط

سمندر ایک بڑے نیلے قمقمے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بدھے تیر کی طرح اوپر جا رہے تھے ــــــ اور موآئی نے اپنی سیٹ کے ہتھوں کو بھینچ رکھا تھا۔

"تین دن گئے ہیں" وہاں کے رہنے والے کہتے تھے "نیلے بھیڑیے کی پہاڑی کو پہنچنے کے لئے تین دن خواہ پیدل ہو کہ گھوڑے پر"

"تین گھنٹوں کے بعد" پائلٹ نے اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا آج رات ہی مجھے شنگھائی لوٹنا ہے، تم نے جو رقم دی ہے اس سے ایک مشین گن خریدی جائیگی۔ تمھارا وطن کے لئے بڑا ایثار ہے تمھارے والد نے ہمیں اتنی رقم دی ہے کہ اس سے بہت سے کام نکل سکتے ہیں۔"

"یہ ایثار ہے؟ تم کہتی ہو یہ ایثار ہے؟؟ آج وطن کیلئے جان بھی دی جائے تو کم ہے، کاش ہم میں بیداری پیدا ہو۔ کچھ ہو میں تمھیں کیسے بتاؤں کہ میرا جی کیا چاہتا ہے ـــــ میں ایک انقلاب عظیم برپا دیکھنا چاہتی ہوں، اس زمین کے ہر ذرے سے زندگی کے آثار ہویدا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"میں اُس رقم کو دگنا کر دونگا" موآئی کے باپ نے کہا تھا جب اس نے شنگھائی تار دیا تھا۔

وہ مشرقی آسمان پر اُڑے چلے جا رہے تھے۔ آج صبح پلٹ رہی تھی، سورج ان سے ملنے چھوٹ رہا تھا۔ ان کے نیچے زمین ابا

بڑا سا سبز دھبہ سا معلوم ہو رہا تھا۔

یہ آج تھا؟

اور آج کے پروں پر سوار وہ اپنے شوہر سے ملنے جا رہی تھی۔
پائلٹ اپنے دماغ کی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ ان کے نیچے دیہاتوں میں لوگ اپنی قدامت پسندانہ زندگی شروع کر رہے تھے

عورتیں وہی پرانے مٹی کے چولھوں پر کھانا پکانے کی تیاری کر رہی تھیں، کہیں ہانڈیاں چڑھی تھیں کہیں توے رکھے گئے تھے کہیں آٹا گوندھا جا رہا تھا، اور کہیں ترکاری بنائی جا رہی تھی اور مرد کھلگوں کو لئے لکڑی کا قدیم ہل چلا رہے تھے۔

اور ایک لمحے میں وہ ایک قدیم قلعے کے میدان میں اتر پڑے گی
وہاں کیا واقعہ پیش آئے گا، اِس کی اُسے خبر نہ تھی ——— سوائے اِس کے کہ اُسے اتنا معلوم تھا" وہ" وہاں ہو گا" وہ" وہاں ضرور ہو گا" یکایک ایک خیال کسی گوشے سے آکر اُس کے دل میں کودا۔
" وہ اُسے قتل نہیں کر سکتے" اور وہ سوچنے لگی۔ یہ خیال نفی میں کیوں آیا،

" ہائے میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا ——— کہ وہ کہیں اُسے ہلاک نہ کر دیں ——— اور جو کہیں ——— دیوتا نہ کریں "

وقت مُسکرایا ——— مصیبت کیسے کیسے سامان کرتی ہے ——— نافرمان سے نافرمان بھی فرمانبرداری پر اُتر آتے ہیں حلقہ

غلامی کانوں میں ڈالتے ہیں ـــــ سر پر مصیبت پڑتی ہے تو منہ سے اللہ نکل پڑتا ہے۔

"دیوتا نہ کریں ـــــ اور اگر کبھی ایسا ہوا تو پھر وہ فوجوں کو جمع کریگی اور نیلے بھیڑیئے کے علاقے پر جھاڑو دیپھیر دیگی" وہ بے اختیار چیخ اٹھی۔

"تیز چلاؤ ـــــ ارے بھئی تیز چلاؤ!"

....

پائلٹ پہاڑی پر ہوائی جہاز کو آہستہ آہستہ چکر دے رہا تھا نیلے بھیڑیئے کی قیام گاہ کہیں نظر ہی نہ پڑتی تھی۔ دیوتا جانیں کہاں ہوگی مونی سوچ رہی تھی" اور وہ وہاں ہوگا ـــــ میر ضیغم ـــــ لیکن دیوتا جانیں کس حال میں ہوگا"

"کس حال میں ہوگا" کے الفاظ اس کے دماغ میں ہوائی جہاز کی طرح گھوم رہے تھے اور ان کی پھڑپھڑاہٹ سے اس کا دل لرزا جارہا تھا۔ اندیشے ـــــ مونی نے دیکھا ان کی ایک عظیم الشان فوج نے اس کے دل و دماغ پر دھاوا بول دیا ہے۔

"وہ رہی!" پائلٹ چلایا

مونی چونک پڑی۔ سر جھکا کر نیچے دیکھا۔

وہاں ـــــ دو پہاڑوں کے درمیان ایک گہری وادی تھی اور اس میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے مکانات ایک اونچی آہنی دیوار نے انھیں گھیر رکھا تھا۔

"یہ ضرور نیلے بھیڑیئے کی قیام گاہ ہوگی" مولی سوچنے لگی
انھوں نے نیچے تیزی سے اترنا شروع کیا۔
"تم تیار رہنا۔ انجن بالکل تیار ہے" مولی کہنے لگی۔ "جیسے ہی ہم
آئیں فوراً اسٹارٹ کرنا بہت ممکن ہے ہم جان ہتیلی پر لئے
ہوئے آئیں"
پائلٹ نے سر ہلایا
ان کے نیچے چھوٹی چھوٹی مورتیں پتھر کے مکانوں سے نکل نکل کر
جمع ہو رہی تھیں۔ جیسے ہی جہاز زمین پر آیا وہ اس طرح بکھر گیئں جیسے
موتی کسی ڈبیا سے نکل کر بکھر جائیں۔
پائلٹ اور مولی بے اختیار ہنس پڑے۔
"چلو یہ بھی اچھا ہی ہے ــــــ وہ لوگ بہت ڈرے ہوئے ہیں۔
انھوں نے کبھی ہوائی جہاز نہیں دیکھا ہے۔ مگر دیکھو تم انجن تیار رکھنا"
پائلٹ نے پھر بڑی مستعدی سے سر ہلایا۔ مولی نے محسوس کیا
کہ اب جہاز زمین سے ٹکرایا، وہ ایک دفعہ اچھلا اور پھر لرزتا ہوا
کھڑا ہو گیا۔ وہ کود کر نیچے کھڑی ہو گئی۔ ان لوگوں کا سامنا کرتے
ہوئے اس نے کھنکار کر اپنی آواز صاف کی۔
"تمھارے سردار کہاں ہیں" اس نے پوچھا "میں ان کے لئے ایک
ضروری خبر لائی ہوں" اس نے جہاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم

دیکھتے ہو! میں یہاں کتنی جلدی میں آئی ہوں۔ اِس کشتی میں بیٹھ کر ہوا پر اڑتی ہوئی آئی ہوں۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے" ایک شخص نے متعجبانہ ایک دوسرے شخص سے پوچھا

"ہم نے اڑن کشتیوں کے متعلق سنا ضرور تھا لیکن کبھی دیکھا نہیں" دوسرے نے جواب دیا۔ وہ لوگ بچوں کی طرح ہوائی جہاز کو چھونا بھی چاہتے تھے اور چھوتے ہوئے ڈرتے بھی تھے۔

"مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو، میں جب تک وہاں ہو آؤں تم لوگ اُسے جی بھر کے دیکھ سکتے ہو" مولی نے ان لوگوں سے کہا۔

ایک شخص کھسیانی ہنسی ہنسا، اور جھینپتے ہوئے بولا۔

"سچ تو یہ ہے خاتون ہمارا کوئی سردار نہیں۔ نیلا بھیڑیا در اصل عورت ہے۔"

"عورت؟" مولی نے حیرت سے چیخ کر کہا۔

سب ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ جیسے انھیں بڑی حیرت تھی۔

"اتنا بھی نہیں معلوم —— افوہ باہر کے لوگ ہم سے کتنے بیخبر ہیں،" لیکن ایک شخص بول اُٹھا۔

"خاتون —— نیلا بھیڑیا گزشتہ موسم بہار میں مرگیا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے"

اس نے کہا ہے کہ ہم کسی سے نہ کہیں" ایک اور آدمی بولا وہ، وہ کہتی ہے

"وہ ہماری ایسی ہی رہنمائی کرسکتی ہے جیسی کوئی مرد کرسکتا ہے"۔
بہت سوں نے سر ہلا کر کہا۔
"اور اُس نے کر دکھایا ہے ضیغم جیسے شہریار کی ملکیت لوٹی ہے ـــــ خاتون آپ نے ضیغم کا نام سُنا ہے؟ ـــــ سر جھٹک کر بولا" اُفوہ وہ تو شیر ہے واقعی اسم با مسمیٰ"
"مگر یہ ہماری بیگم ہی کا دل ہے" دوسرا بول اٹھا" کہ ایسے شیر کے علاقے دن دہاڑے لوٹ لئے۔ بڑے زرخیز خطے ہیں وہ خاتون ہولی لرزنے لگی ـــــ جی ہی جی میں مارے غصے کے اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، لیکن بڑی مشکل سے ضبط کر کے بولی۔ مجھے اُس کے پاس لے چلو!
ایک عورت!
اور عورت کے خیال سے وہ لرز اٹھی۔ دیوتا جانیں اِن دیہاتی عورتوں کے کیا چرتر ہوتے ہیں، جو کہیں اُس نے میرے ضیغم کو ہتیا لیا تو ـــــ ؟
عورت سوتیا ڈاہ کیسے برداشت کرسکتی ہے۔ سیج کے کانٹے جسم میں نہیں بلکہ دل میں ناسور ڈال دیتے ہیں، محبت کا خدا بھلا کرے۔ ظالم سے پیار کیوں ہوتا ہے؟ سچ ہے گائے قصاب ہی کو پتیاتی ہے۔ اسی کا اعتبار کرتی ہے جو گلے پر چھری پھیرتا ہے۔ لیکن دیوتا! یہ محبت کا بیج اسی زمین میں کیوں بوتے ہیں جس میں پہلے ہی فصل پکی کھڑی ہوتی ہے؟

یکایک مولی کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی، اس کا جی چاہا پوچھے کہ اس کا شوہر کہاں ہے، انھوں نے اس کے ساتھ آخر کیا سلوک کیا۔ شاید وہ اتبک مر چکا ہو!

مر چکا ہو؟

مولی نے الفاظ نگل جانے کی کوشش کی جیسے اس کے انہی الفاظ میں ضیغم کی جان منقید تھی۔ نہیں نہیں وہ ایسے الفاظ زبان پر نہیں لائیگی ہائے یہ بات کس طرح خیال میں لائی جا سکتی ہے کہ.........

اس نے پھر سے الفاظ واپس حلق میں الٹ لئے۔

شاید ـــــ بہت ممکن ہے ـــــ وہ انہی پتھر کے بنے ہوئے مکانات میں بند ھا پڑا ہو ـــــ اور اب تو اس کا چھڑانا کتنا مشکل ہوا جا رہا ہے ـــــ اُفوہ! اور وہ عورت؟

رہ رہ کے اس کے دل میں عورت کے نام سے الجھن ہو رہی تھی لاکھ وہ اس خیال سے پیچھا چھڑاتی لیکن وہ خیال اس کے گلے کا ہار ہو ہی جاتا تھا!

عورت کی زندگی میں شوہر اس وقت بیحد عزیز ہو جاتا ہے جب وہ کسی اور کو اس کی طرف مائل دیکھتی ہے۔ اس تباہی سے بچانے کیلئے وہ کیا کچھ کرنا نہیں چاہتی! اپنی جان خطرے میں ڈال کر وہ اس کو بچا لیتی ہے اور اس مہم کو سر کرتے ہی اس کی زندگی کی معراج ہو جاتی ہے۔

”آؤ خاتون میں تمھیں راہ دکھاؤں“ ان میں سے ایک آدمی بولا۔

وہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اِس طرح کہ ہاتھ جیب میں پستول مٹھی میں۔
"کس قسم کی ہوگی آخر یہ عورت" تو یہ ہے عورت اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھی۔
"اتنی دلیر ہے، کہ اُس نے ایک "سورما" کی جگہ سنبھالی ہے؟"
"یہ رہا" وہ آدمی بولا" اس کا دروازہ۔ تم میں ہمت ہو تو اندر جاؤ کیا بتاؤ خاتون ایسی جلّاد مزاج ہے اگر کبھی سُن پائے کہ میں نے تمھاری رہنمائی کی ہے تو وہ مجھے جان سے مار ڈالے گی ——— تو اَب میں جاؤں خاتون؟
موآلی نے ایک چمکتی ہوئی اشرفی نکالی اور اس کے ہاتھ پر رکھدی اُس نے دانت نکال دیئے اور ڈھیلے جُبہّ کے نیچے جیب میں اشرفی چھپاتا ہوا چلدیا۔
وہ آدمی جاچکا تھا۔
موآلی بند دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔
لکڑی کا بڑا دروازہ جس پر چین کے قدیم آرٹ کے بہترین نمونے بنے تھے عظمتِ رفتہ کی یاد دلا رہا تھا، موآلی نے چپکے سے دروازے کی لکڑی سے کان لگا دیئے۔ دو آوازیں آرہی تھیں، ایک مرد کی دوسری عورت کی۔
موآلی نے دفعتاً دونوں ہاتھوں سے دروازہ ڈھکیلا۔
پھٹ سے دروازہ پورا کھل گیا۔
وہ وہاں ——— ایک ہال میں ضیغم کھڑا تھا۔
ایک عورت بیٹھی تھی اور وہ اُس کے پاس کھڑا تھا۔

" ہم دونوں مل کر وہ سب کر سکتے ہیں جو"۔۔۔۔۔ وہ عورت کہہ رہی تھی، دروازہ کی آواز سے وہ چونک پڑی اور ایک دم خاموش ہو گئی۔ موٗلی کو گھبرا کر دیکھنے لگی"۔

ضیغم نے اس کے حیران چہرے اور پریشان آنکھوں کو دیکھا اور دیکھتے ہوئے پلٹا۔

تم !؟ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

" ہاں" موٗلی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ گو اس کو عورت کے اس قدر قریب پا کر اس کے سینے میں آتش فشاں پھٹ پڑا تھا" یہ میں ہوں میرا خیال تھا میں تمہیں زنجیروں میں جکڑا ہوا پاؤں گی۔

" ہاں موٗلی میں جکڑا ہوا یہاں لایا گیا تھا" ضیغم نے کہا

" تو تم اب آزاد ہو؟" اس نے پوچھا۔

" اس خاتون نے مجھے آزاد کر دیا" ضیغم نے کہا۔ میرے ٹخنے ابھی تک رسیوں کی وجہ سے سوجھے ہوئے ہیں" اس نے قہقہہ مارا" اس میں تھوڑا بہت میرا قصور بھی تھا، میں نے اُن سے مزاحمت بھی، تو کیسی بلا کی تھی۔

" کون ہے یہ؟" موٗلی نے غصہ سے دہکتی ہوئی آنکھیں اٹھائیں اور اس عورت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

اس نے پھر سے ایک زوردار قہقہہ مارا۔

" یہ ہے وہ عجیب و غریب چیز ——— کوئی بنیلا بھیڑیا نہیں۔ [illegible]

دیکھنا مولی یہی وہ ہستی ہے جس نے اپنی فوجیں ان تمام مہینوں میں سنبھالی ہیں ـــــ دیوتاؤں کی ستم ظریفی ـــــ ما ـــــ بی بی ی

تم سنو تو میں ابتک ایک عورت سے لڑتا رہا !"

لیکن مولی کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اُس نے انتہائی ترش روئی کے ساتھ پوچھا

"جب میں یہاں آئی اُس وقت یہ کیا کہہ رہی تھی ؟"

ضیغم اس عورت کی طرف پلٹا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم ؟"

اب مولی نے نگاہ بھر کے اس عورت کو دیکھا ـــ سانولی رنگ کی وحشت زدہ قسم کی دیہاتی عورت تھی جس کا ڈیل مردانہ تھا۔ ایک لانبا سُرخ رنگ کا کوٹ پہنے تھی جس پر پرانے وقتوں کی دستکاری کے بہترین نمونے بنے ہوئے تھے کوٹ کا گلا کھلا ہوا تھا۔ اور اس میں سے سُرخ رنگ کی ریشمی جھانک رہی تھی۔ مولی کی نظریں سارے سراپا کا جائزہ لیتی ہوئی آکر اُس کے ہونٹوں پر ٹک گئیں جو موٹے موٹے اور سخت تھے۔

اس عورت نے ضیغم کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے مولی وہاں موجود نہیں ہے اور کہا

"اگر تم اور میں مل جائیں، ہماری فوجیں، ہماری زمینات، ہم خود وہ طاقت ہو جائیں جس کا کوئی جواب نہ پیش کر سکے پھر ہمیں کون فتح

کر سکتا ہے ؟ ہم حکومت کا تختہ اُلٹ سکتے ہیں اور پہلے کی طرح ـــــ اِس پچھلے زمانے کی طرح جب حکومت اور شہنشاہیت کا ہن برستا تھا ـــــ ملک آباد اور رعایا دلشاد رہتی تھی، جب چور ڈکیت ظالم و جابر کسی کا پتہ نہ تھا اور ـــــ جیسے وہ شہنشاہانِ عادل عدل کیا کرتے تھے، اسی شہنشاہیت کو ہم بھی واپس لا سکتے ہیں تم شہنشاہ ہونگے اور اپنے بیٹے شہزادے!

"تو ضیغم شہنشاہ ـــــ یہ اور ـــــ اور اسکے بیٹے شہزادے!؟"

موآلی لرز پڑی، مارے غصہ کے اس کا سینہ قریب تھا کہ پھٹ جائے قلب اُلٹ جائے۔ اِس خیال نے اس کے سر سے پیر تک ایک آگ لگا دی تھی، اُس نے چیخ کر کہا۔

"میں ایسی فضول بکواس نہیں سُننا چاہتی" اور دوڑ کر ضیغم سے لپٹ پڑی" سچ بتاؤ کیا تم نے اس عورت کی بات کا یقین کر لیا ہے، کیا تم ایسی فضول باتوں پر اعتبار کرتے ہو؟ کیا تم اس گنوار عورت سے مل جاؤ گے، اور اس کے بیٹے شہزادے کہلائینگے، تم شہنشاہ ہونگے اور ـــــ"

موآلی لرز کر رہ گئی ـــــ اس کی تیز زبان بڑی تیزی سے خاموش ہو گئی ضیغم بے حس و حرکت کھڑا اُس عورت کے سانولے چہرے کو گھور رہا تھا جس پر دو موٹے سخت ہونٹ پھڑک رہے تھے۔

موآلی نے ایک قدم آگے بڑھایا، اور اس عورت کے سامنے کھڑی ہو گئی،

"کیا تم میرے خلاف جنگ کا اعلان کرتی ہو؟" مولی چیخ پڑی۔

"ہاں!" وہ بولی، سُرخ سُرخ شرارے سے اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے" وہ تمھارے میل کا نہیں۔ اسے چھوڑ دو، تم اسکے لائق نہیں، شنگھائی کو لوٹ جاؤ، جہاں تم سی عورتیں رہتی ہیں"۔

"تم سی عورتیں رہتی ہیں" اُس نے اس انداز سے کہا جیسے اگلے فیشن کی عورتیں نئی روشنی کی لڑکیوں کو ہمیشہ فاحشہ سمجھتی ہیں۔

لیکن ضیغم کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی، مولی کی ہتک ہو رہی تھی انتہائی حقارت آمیز الفاظ میں اس کو مخاطب کیا جا رہا تھا۔ لیکن اُس نے ذرا سی بھی حرکت نہ کی، ایک لفظ نہ کہا، اور مسلسل اُس عورت کو گھورتا کھڑا رہا۔ مولی اسکی یہ نظریں برداشت نہ کر سکی۔ وہ اس کے قریب بھی نہ آیا، وہ مُسکرایا تک نہیں، وہاں ـــــ اس کی نگاہوں میں وہی مستحکم سوچ تھی!

"کیا سوچ رہے ہو تم آخر؟" بے اختیار وہ چلا اُٹھی۔

"نہ تمھارے نہ اس عورت کے متعلق۔ اُس نے ایک ایک لفظ اس آہستگی کے ساتھ کہا کہ ان کو ایک ایک کر کے خط نستعلیق میں لکھا جا سکتا تھا۔

"کیا تم بھول گئے" ـــــ مولی نے کہنا شروع کیا" ذرا تم سنو تو"

"میں سب کچھ بھول چکا" اس نے کہا" سوائے اس کے کہ میں اپنے باپ کا بیٹا ہوں ـــــ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ میں لڑنے کیلئے پیدا

ہوا ہوں ـــــ شہروں میں رنگ رلیاں منانے کے لئے نہیں"
کہتے کہتے اُس کی آواز بھر آگئی اور انتہائی غمگین ہو گئی، اور وہ پلٹا۔
ایک کھڑکی کے پاس پہنچا اور کھڑکی سے باہر دور پہاڑ کے پھیلے ہوئے
دامن اور اونچی چوٹی کو دیکھنے لگا جس پر دھوپ چمک رہی تھی اور
ہوا کے جھونکے سے بجلیاں سی کوندتی نظر آتی تھیں۔
"کیا تم میرے بجائے اب اُسے پسند کرنے لگے ہو؟" مولی نے پوچھا
تو سہی لیکن آواز اتنی خشمگیں ہو گئی کہ آخری لفظ کے بعد حلق ہی میں گم ہوگئی
"میں کسی عورت کو پسند نہیں کرتا" ضیغم۔ اب بھی پہاڑیوں کو دیکھتے
ہوئے بولا "میں زندگی کو پسند کرتا ہوں"
"کیسی زندگی؟" مولی نے پوچھا، اس نے ٹالتے ہوئے کہا
"میں جانتا ہوں تمھارے اس فقرے کا کیا مطلب ہے"
"لیکن تمھیں کچھ پتہ بھی ہے وہ تمھیں پھر سے قدیم زمانے میں لوٹنے کو
کہتی ہے ـــــ اور اب وہ زمانہ نہیں، تلواروں، تیروں کو کب کا وظیفہ
مل چکا۔ اب تو توپ، ٹینک اور ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے، دل کی
نہیں اب دماغ کی حکومت ہے"
"ہمارے باپ ـــــ" عورت نے کہنا شروع کیا۔
"مگر مولی نے اُسے بات ختم نہ کرنے دی
"ایک تخت لیکر کیا کرینگے، اگر ایک شہنشاہیت کے قائم ہونے
سے پہلے ایک اور نئی جنگ چھڑ جائے تو؟"

ضیغم بجلی کی طرح مڑا "نئی جنگ ؟؟" وہ مجسم سوال بنا ہوا کھڑا تھا۔
"ہاں" موتی نے چلّا کر کہا "بم، ہوائی جہاز، جنگی جہاز، توپ کے گولے"

"میرے آدمیوں کے پاس بھی بندوقیں ہیں" عورت نے بڑے فخر سے کہنا شروع کیا، "اور تلوار اور بڑے تیز برچھے بھی ہیں۔"
"میں نے پہلے ہی کہدیا اِن چیزوں کو وظیفہ مل چکا ہے۔ اب وہ کس کام کے ہیں۔ اب جنگیں آسمان سے ٹپک پڑتی ہیں، چند گھنٹوں میں ایک بھرپور شہر تباہ و برباد ہو جاتا ہے ـــــ اور صرف چند آدمیوں سے۔
"یہ تم رنڈیوں کا ذلیل جادو ہے" عورت چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح اکدم بکھر پڑی "لیکن تمھیں ختم ہی کیوں نہ کر دوں اس سے پہلے کہ ـــــ"

موتی اس دھمکی سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ اُس کے سینے میں ایک شیر ژیاں کا دل تھا، تعلیم و آزادی کے تخیل نے اس کی آنکھوں سے بُزدلی اور کم ہمتی کے پردے اُٹھا دیئے تھے۔ بڑے اطمیناں سے بولی "شریر عورت! وہ صرف ہم تعلیم یافتہ نوجوان نسل کا جادو نہیں ہے، وہ دنیا کا جادو ہے۔ کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ تم طاقتور ضرور ہو لیکن یہ کوئی بات نہیں کہ تم کسی کو بھی مار دو۔ زمانہ بہت کچھ آگے نکل گیا" وہ ضیغم کی طرف مڑی "اُسے کسی بات کی خبر نہیں ہے۔ بالکل

جاہل، زمانے کی کسی کروٹ سے خبردار نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ جنگ کے زمانے میں اِن پہاڑیوں کی کیا اہمیت ہے، اس میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے"

"مگر میں تمھارا یقین کیسے کروں" عورت نے پوچھا۔

موٗلی اُس کی باتوں پر ذرا بھی کان نہیں دیئے۔ اور وہ اپنے شوہر کے پاس گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ لیکر اپنے سینے پر رکھے۔ اُف! ـــــ اسکے ہاتھ ایسے تھے جیسے بے حس پتھر، ان کی بے حسی نے اس کے سر پر سرد سرد پتھر رکھ دیئے۔

"میرے ساتھ چلو" موٗلی کی آواز میں سراپا التجا تھی۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ عورت کرسی پر آگے جھکی ہوئی بیٹھی تھی بولی۔

"تمھارا خون اور میرا"

موٗلی کے کانوں میں جیسے کسی نے گرم گرم سیسہ ڈالدیا۔ تن بدن میں آگ لگ گئی، آنکھوں سے جیسے غم و غصہ کی بارشیں ہونے لگیں۔ موٗلی نے ضیغم کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

کیا تم اِسے پسند کرتے ہو؟" اُس نے سختی سے جواب مانگا۔ "ایک گنوار دیہاتی لڑکی، جو اپنا نام تک لکھ نہیں سکتی؟ کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے بیٹوں کی ماں اس قسم کی عورت ہو؟" وہ ایک دفعہ جیسے اڑ کے ضیغم کے پاس پہنچی ہو، تیزی سے مڑی اور اس کے مونڈھے پکڑ کر جھلائی

تم نے آجتک کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا سوائے میرے جو تمھارے بیٹوں کی ماں ہے!"

ضیغم نے اپنی نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں ـــــ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس کی آنکھوں میں رینگ رہی تھی۔

کیا تم قلعہ کو واپس آسکتی ہو اگر میں تمھیں اپنے بچوں کی ماں بناؤں؟" ایک عجیب انداز میں اس نے دریافت کیا۔

موآلی نے سر کو جھٹکا دیا "میں وعدہ نہیں کرتی"

وہ عورت ان دونوں کو ایک عجیب اشتیاق اور درد بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں کسی چیز کا وعدہ نہیں کرتی" محبت کی نظروں کا سہارا پاکر موآلی نے بڑے سرکش انداز میں جواب دیا "کچھ بھی نہیں، کسی بات کا وعدہ نہیں ـــــ سوائے ایک بیٹے کے"

مسکراہٹ!

ضیغم کی گہری سیاہ آنکھوں کی سطح پر طلوع ہو رہی تھی، اور موآلی نے دیکھا وہ روشنی اسکے سارے چہرے پر پھیل رہی ہے۔

اور وہ اس سے نفرت اور محبت دونوں کرتی، شائد اس کا دل سمندر تھا اور ضیغم چودھویں کا چاند!!

"میں تمھیں جانے نہ دوں گی ـــــ نہ تمھیں نہ انھیں" عورت ان کی محبت کے اس منظر سے متاثر ہو کر بولی۔

"تم ہمیں نہیں روک سکتیں" مولی نے جواب دیا "ہیں جادو کے زور سے آئی" مولی نے اس انداز سے کہا جیسے وہ کسی معصوم بچہ سے مخاطب تھی "مجھے تمھاری کسی بات کا یقین نہیں" عورت جھنجلا کے بولی۔ مولی مسکرانے لگی۔

"آج صبح میں ساحل سمندر پر تھی" بڑی پُرزور آواز میں مولی نے کہا "اور اب دوپہر بھی نہیں۔ دوپہر تک میں پھر ساحل سمندر پر ہو نگی ذرا دروازے کے باہر تو دیکھو؟" اُس نے تیزی سے بڑھ کے دروازہ کھول دیا۔

اور وہاں ـــــ حیران، پریشاں آنکھوں کے ایک مجمعے میں ہوائی جہاز کھڑا ہوا تھا، جیسے کوئی فیل مست ہو۔

جیسے ہی پائلٹ نے مولی کو دیکھا ایک گرج کے ساتھ انجن چلا دیا عورت مارے ڈر کے آنکھیں پھاڑ سے اُسے گھورنے لگی۔ اسکے موٹے موٹے ہونٹ بڑی حد تک کھل گئے تھے۔

"چلو ـــــ آگے بڑھو" مولی نے ضیغم سے کہا لیکن وہ ابھی تک شش و پنج میں تھا۔

اب تو مولی گھبرائی، قوت بھر چلا کے کہا۔

"جلد چلو، میں تمھیں راستے میں بتاؤں گی! شنگھائی میں جاپانی آگئے ہیں"

ایک لمحے تک وہ خاموش اُسے گھورتا رہا، اور دفعتاً جیسے کسی غیبی

قوت نے اُسے بیدار کر دیا ہو، وہ جہاز کے دروازے کے لئے کود پڑا۔ اس نے راستے کے لئے آدمیوں کو اِدھر اُدھر دھکیل دیا۔ اور مولی اُسکے پیچھے تھی۔ وہ ہوائی جہاز پر ہاتھ مار رہا تھا۔

"کیسے چڑھوں اس پر آخر؟" وہ پریشان ہو کر چلایا۔

لیکن وہ عورت اب چیخ رہی تھی۔

اسے پکڑو ـــــ اسے روکو"

وہاں کے آدمیوں نے شاید محسوس کر لیا کہ اب کیا ہونیوالا ہے پھر تو وہ ضیغم پر دوڑ پڑے، جیسے ہی اس نے قصد کیا کہ اندر داخل ہو کوئی درجن بھر ہاتھوں نے اُس کے پیروں کو پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا مولی نے بھی محسوس کیا شائد اس کا بھی وہی حشر ہو، موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے وہ سینے میں پستول ٹٹولنے لگی۔

"یہ رہا" وہ چلائی۔

اور ضیغم نے اُسے انکے سروں پر تولا ـــــ اور تڑاتڑ گولیاں برسنے لگیں، ایک سکنڈ میں لوگ ہٹے اور اسی سکینڈ اس نے مولی کو اپنے ساتھ سیٹ پر اٹھالیا۔

جہاز کھلے میدان میں حرکت کر رہا تھا۔ آگے پیچھے ہٹنے میں اُس نے ایک دیوار کا صفایا بھی کر دیا، اور آسمان کی طرف اوپر اٹھنے لگا۔

ہمیں اپنے قلعہ کو بہت مضبوط کر لینا چاہئے" وہ مولی کے کان میں چیخا۔

" وہ صرف شنگھائی تک آئے ہیں" مولی نے چیخ کر جواب دیا۔

"وہ شنگھائی پر قبضہ جما لینگے ــــ اور وہاں کے شہری لوگ وہ ــــ ہنسنے لگا" بھلا ان سے کیا ہوگا اور ــــ حقیقی لڑائی تو اندرون ملک ــــ یعنے پہاڑوں میں ہوگی۔ اور اِن پہاڑوں پر ــــ ہم ہونگے ــــ تیار!!" فخر و جوش شجاعت سے ضیغم کا فراخ سینہ تن گیا۔ "میں نے زندگی بھر اِس لمحے کا انتظار کیا ہے اور ما ــــ لی ی ی!

وہ اب پہاڑوں پر بہے جا رہے تھے۔ موٓلی نے انہیں دیکھا۔ کھلی وادیاں اور فراخ سمندر ــــ اُن سے گلے ملنے کے لیئے جھپٹ رہے تھے۔ ضیغم کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"میں چند ایسے آدمی ملازم رکھوں گا" اس نے پائلٹ کی طرف اشارہ کیا" آخر میرا خزانہ کس دن کام آئے گا؟ ــــ روپیہ کا استعمال کیسے کیا جائے ــــ یہ گر میرے ہاتھ لگ گیا ــــ اب میں بم اور ہوائی جہاز خریدوں گا!"

موٓلی حیران تھی۔ ضیغم آج تک کبھی ہوائی جہاز میں نہ بیٹھا تھا لیکن وہ بڑے اطمینان سے موٓلی سے باتیں کر رہا تھا اِس طرح جیسے کوئی موٹر میں بیٹھتا ہے۔

"میں خود کو حکومت کے سامنے پیش کروں گا۔ ہمیں اب مل جانا چاہیئے۔"

موٓلی نے ایک قہقہہ مارا۔ فرطِ مسرت سے اُس کے آنسو نکل آئے

اُس نے ہوا میں ایک تخیلی ٹائپ رائٹر پر اُنگلیاں چلائیں۔

"اب وقت آپہنچا ہے کہ سب نیک آدمی "

ضیغم نے قطع تحریر کر دیا۔

"ٹھیک ہے، میں اِس عورت کے پاس ایک قاصد بھیجوں گا وہ غرایا۔ میں اُس سے کہونگا "اب ہم سب کے سب مل کر لڑنے کا وقت آپہنچا۔ "

عورت!

اور مولی کی حس عورت بیدار ہوئی۔ اس کے سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ اس نے جواب دینے کی کوشش کی وہ اُس سے چمٹا بیٹھا تھا اور اپنی بھاری بھر کم آواز سے کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا

"تم نے اکدم کیوں نہ کہدیا کہ جپانی آگئے ہیں؟ وقت کا بچاؤ تو ہوتا۔ فضول گفتگو میں وقت ضائع ہوا۔

مولی نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کی فراخ ہتیلی میں چینی رسم الخط میں لکھا

"میں چاہتی تھی کہ تم جپانیوں کی مدد کے بغیر مجھے پسند کرلیں"

اُس نے اپنا سر پیچھے پھینک کر قہقہہ لگا۔

"آ ـــــ ئی ہی ہی" جیسے کوئی شئے اُس کے حلق میں پھنس رہی تھی مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ میں نے تو تمھیں اپنے دروازے پر پسند کر لیا تھا، پہلے ہی لمحے ـــــ جبکہ میری پہلی نظر تم پر پڑی تھی "

اس نے مولی کے ہاتھ کو موڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔
اور اب وہی سینہ گرم تھا۔ طاقت اس میں کھنچی پڑ رہی تھی مولی نے محسوس کیا اس کے اپنے سینے میں ضیغم کے ہاتھ سے ہوتی ہوئی ایک برقی رو دوڑ رہی ہے۔ اس نے اس کے سینہ کو دبایا اور ——
نوجوان پائلٹ ان سے کچھ کہنے کے لئے مڑا لیکن وہ فوراً دور دیکھنے لگا۔
"ایک چھوٹی سی جنگ!" وہ غرا رہا تھا "بس اس کی مجھے ضرورت تھی —— اوہ ما —— بی بی تمہیں کیسے بتاؤں میں اب کس قدر خوش ہوں۔"
اس کی عجیب حالت تھی۔ اس کی موجودہ حالت پر کوئی یقین نہیں لا سکتا تھا۔ اگر وہ یہ ساری داستان میری لین ( ) سے کہنے کی کوشش کرے تو وہ اسے سمجھا نہیں سکتی۔ سارا افسانہ دیوانگی اور ناممکنات سے پر تھا —— وہ امریکہ میں واقع نہیں ہو سکتا کہیں بھی واقع نہیں ہو سکتا سوائے چین کے!
وہ ساحل کے قریب تھے —— نوجوان پائلٹ سمندر کی طرف جھپٹ رہا تھا۔
اور اب مولی کو کوئی خوف نہ تھا۔
اگر دشمن ساحل سمندر لے بھی لے —— تو۔
وہاں وہ پہاڑ ہیں۔

خوفناک وحشی، جنگجو آدمیوں سے بھرپور
وہ سر بہ فلک قلعوں کی پھاٹکوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
اُسے دنیا میں صرف ایک شے کی ضرورت تھی۔
اور وہ تھا ضیغم۔
جواب بالکلیہ اُس کا تھا
وہ فرطِ اطمینان سے ضیغم کے فراخ سینے سے لپٹ گئی!!

اختر مراد

حمانیہ

ضیغم کے بعد

اس عالمی جنگ نے دنیا کی ہر چیز بدل ڈالی ہے —— ہر شئے میں تغیر و انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارا ادب بھی متاثر ہوا اور پرانی پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر نئی شاہراہوں پر گامزن ہے گو یہ درست ہے کہ اردو ادب نے ابھی تک اپنی کوئی صحیح راہ متعین نہیں کی بلکہ

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کی منزل میں ہے — ایک عبوری دور —— ہر ادیب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہا ہے۔ ہر شخص کا قبلہ جُدا نظر آ رہا ہے۔ کسی پر غلط ترقی پسندی اور بے جا تجدّد کے دورے پڑ رہے ہیں۔ کوئی پُرانے تاروں میں جکڑا ہوا۔ اپنی عصبیت اور ماضی ہی کو منتہائے کمال سمجھ رہا ہے۔ ایک گروہ ادب برائے زندگی میں اتنا غلو کر رہا ہے کہ ادب ایک پروپگنڈہ بن گیا دوسری جماعت ادب کو زندگی ہی سے بے نیاز گردان چکی ہے —— مستقبل کا حال کون جانے؟ آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ یہ تمام ہنگامے چند دنوں کی بات ہیں پھر یہ افتراق ہی عنوان ہوگا اتحاد کا، اور یہ تخریب ہی پیش خیمہ ہوگی تعمیر کا —— بہرحال اُردو ادب "منزل ما دور نیست" کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھا جا رہا ہے۔

ادب کی قدریں بڑی حد تک بدل گئی ہیں الفاظ سے کھیلنے والے معانی سے اُلجھے ہوئے ہیں۔ ادب کو افیون کی گھونٹی بنانے والوں نے تیر و تبر سنبھال

لئے ہیں۔ بیداری! انقلاب!! جدت و تنوع کی روشنی میں ایک قافلہ آگے بڑھ رہا ہے ـــــ اسی قافلے کے ساتھ یہ غریب ادارہ دَبِستانِ اُردُو بھی ہے۔ حقیر و بے مایہ سہی لیکن غیر مفید نہ ہوگا۔ ضیغم دبستانِ اردو کی تیسری کتاب ہے ـــــ گاؤدی، غبار، ضیغم اور اس کے ساتھ ہی۔

"دل کی آگ" حضرت ظفر واسطی کا ایک ناولٹ بھی شائع ہو رہا ہے۔ اپنی بے مائیگی کے باوجود دبستانِ اُردُو جو خدمت انجام دے رہا ہے وہ آپ کی نظروں میں غیر معمولی نہ سہی لیکن خود دبستانِ اُردُو کے لئے تحیر خیز ضرور ہے۔ آئندہ آواخر جولائی سے وسط اگست تک یہ ادارہ تین چار کتابیں اور پیش کر رہا ہے۔ ان کے متعلق بھی ایک دو لفظ سُن لیجئے، "نگارِ حیات" در آنرز ہے: ۔ محترمہ سعیدہ مظہر نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ کے آدم سے متعلق اشعار کو جمع کر کے ایک تمثیل لکھی ہے ـــــ دراصل یہ تمثیل نہیں بلکہ علامہ مرحوم کے اشعار کی تفسیر و تشریح ہے۔

"چار دن": حضرت ناظم میرٹھی کے ان افسانوں کا مجموعہ ہے جو ادبی دنیا اور ہمایوں وغیرہ بلند معیار رسائل میں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ اس مجموعہ میں موصوف کے غیر مطبوعہ افسانے بھی شامل ہیں۔

خشک و تر: ۔ حضرت رشید احمد صدیقی کے طنزیہ مزاحیہ اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ موصوف کو اردو ادب میں جو مرتبہ حاصل ہے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا سورج کو دیا دکھانا ہے۔

عروج